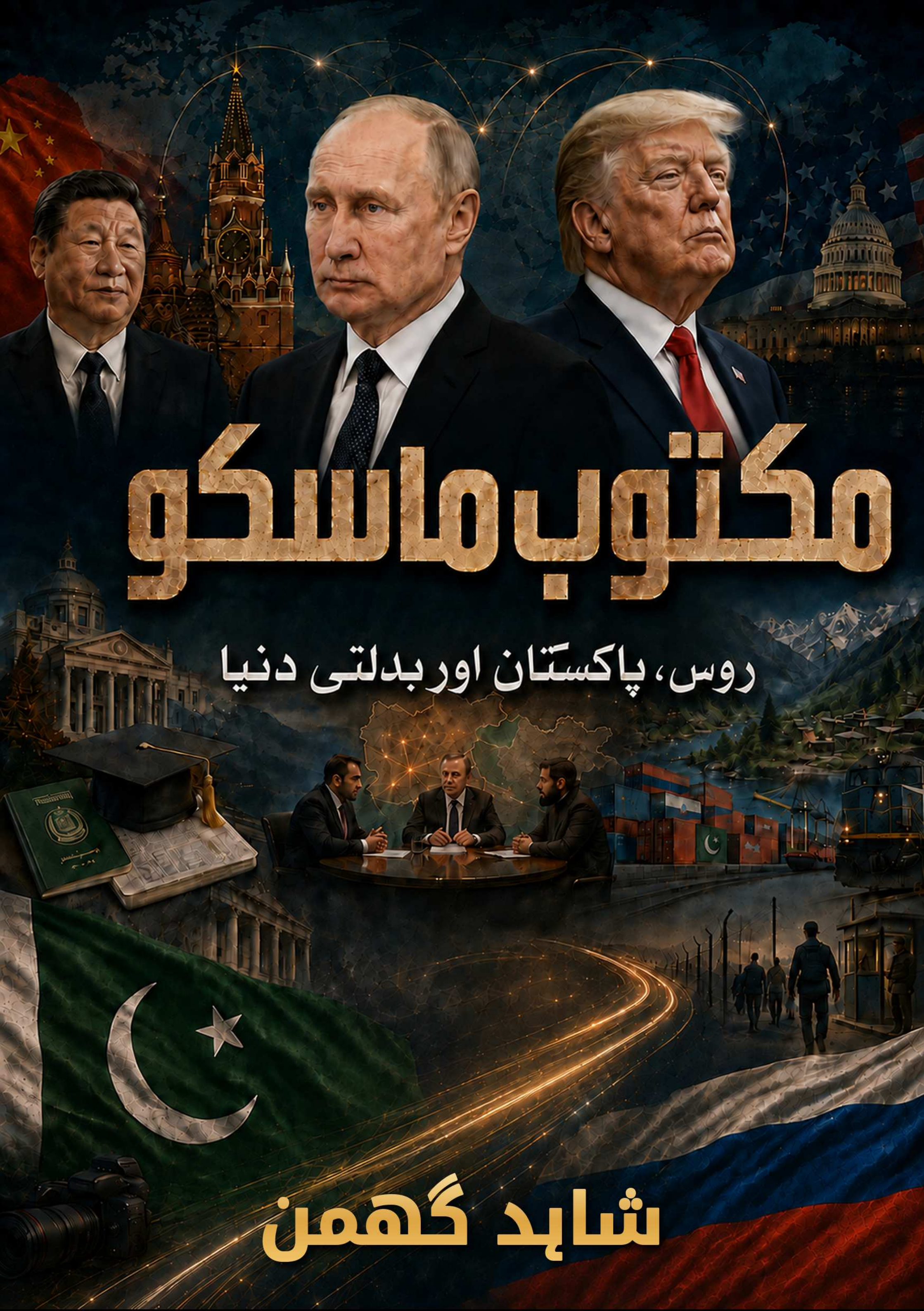
مکتوب ماسکو
روس، پاکستان اور بدلتی دنیا
شاہد گھمن

مکتوبِ ماسکو

حقوقِ اشاعت و معلوماتِ اشاعت

مصنف: شاہد گھمن

ذیلی عنوان: روس، پاکستان اور بدلتی دنیا

تاریخِ اشاعت: 24 اگست 2026ء

اسلامی تاریخ: 10 ربیع الاول 1448ھ

© 2026 شاہد گھمن۔ جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

اس کتاب میں شامل تحریریں مصنف کے مختلف اوقات میں شائع ہونے والے کالموں کی کتابی تدوین ہیں۔ متن کی اصل آواز اور مؤقف برقرار رکھتے ہوئے املا، رموزِ اوقاف اور کتابی ترتیب میں ضروری اصلاح کی گئی ہے۔

رابطہ

ویب سائٹ: www.shahidghumman.com

ای میل: dunyanewsrussia@gmail.com

رابطہ / واٹس ایپ: +7 925 210-90-92

انتساب

اپنے اہلِ خانہ، اساتذہ، ساتھی صحافیوں

اور اُن تمام قارئین کے نام

جو سچ، مکالمے اور قوموں کے درمیان بہتر فہم

پر یقین رکھتے ہیں۔

حرفِ آغاز

ماسکو میرے لیے محض قیام کا شہر نہیں بلکہ دنیا کو دیکھنے کی ایک کھڑکی ہے۔ یہاں سے عالمی سیاست کے بڑے فیصلے، روس کی داخلی حرکیات، پاکستان اور روس کے بڑھتے روابط اور تارکینِ وطن کے مسائل ایک مختلف زاویے سے دکھائی دیتے ہیں۔ انھی مشاہدات نے وقتاً فوقتاً ان کالموں کی صورت اختیار کی۔

اس مجموعے میں مارچ 2023 سے اگست 2026 تک کے چھبیس منتخب کالم تازہ ترین سے قدیم ترین ترتیب میں شامل ہیں۔ موضوعات پاک روس تعلقات، روسی معیشت، برکس، روس و ترکی تعاون، سٹریٹیجک سلامتی، روس امریکہ رابطے، کشمیر، افغانستان، صحافت، سفارت کاری، تعلیم، تجارت، انسانی اسمگلنگ اور پاکستان کے انتظامی ڈھانچے تک پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ تحریریں کسی ایک سرکاری یا سیاسی بیانیے کی ترجمانی کے بجائے ماسکو میں موجود ایک پاکستانی صحافی کے مشاہدات، سوالات اور قومی مفاد سے جڑی فکر کا اظہار ہیں۔ میری

کوشش رہی ہے کہ روس کو پاکستانی قارئین کے لیے سمجھنے کے قابل بنایا جائے اور پاکستان کے حقیقی مسائل روسی اور بین الاقوامی تناظر میں سامنے لائے جائیں۔

شاہد گھمن

مصنف کا تعارف

شاہد گھمن ماسکو میں مقیم پاکستانی صحافی، کالم نگار اور دنیا نیوز کے نمائندۂ روس ہیں۔ وہ 1996 سے صحافت سے وابستہ ہیں اور پاکستان کے مختلف اخبارات اور ٹیلی وژن اداروں کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ انہوں نے جون 2018 سے فروری 2025 تک روس میں 92 نیوز کے نمائندے کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، جبکہ فروری 2025 سے تاحال دنیا نیوز کے نمائندۂ روس کے طور پر فرائض انجام دے رہے ہیں۔ 2018 سے روسی وزارتِ خارجہ سے بطور غیر ملکی صحافی باقاعدہ ایکریڈیٹڈ ہیں۔ روسی وزارتِ خارجہ کی بریفنگز، بین الاقوامی فورمز اور پاک روس تعلقات سے متعلق سفارتی و تجارتی سرگرمیوں کی مسلسل کوریج ان کے صحافتی کام کا نمایاں حصہ ہے۔ وہ وائس آف رشیا (اردو) کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

فہرستِ مضامین

1	روس کی انتظامی مشینری کیسے چلتی ہے، پاکستان کیا سیکھ سکتا ہے؟	11
2	چودہ کروڑ کا روس نواسی اکائیوں میں، چوبیس کروڑ کا پاکستان صرف چار صوبوں میں کیوں؟	23
3	روس تک پاکستانی برآمدات کو درپیش نئے چیلنجز	37
4	کیا پاکستانی طلبہ کو یوکرین جانا چاہیے؟	43
5	پوتن کا تاریخی دورۂ چین اور بدلتی عالمی سیاست	48
6	9 مئی: روس کی تاریخ، قربانی اور قومی وقار کا دن	55
7	ولادیمیر پوتن: عالمی سیاست کا فیصلہ کن کردار	61
8	وزیراعظم کا دورہ ماسکو: پاک روس تعلقات کی نئی جہت	67
9	پاک افغان کشیدگی اور روس کی ممکنہ ثالثی	73

10	صحافی، سچ کی روشنی کے امین	78
11	27 اکتوبر: وہ دن جب خوابوں پر پہرہ بٹھایا گیا	83
12	فیصل نیاز ترمذی: ماسکو میں پاکستانی سفیر اور پاک روس تعلقات کی نئی راہیں	90
13	عمران عباس چدھڑ: تھیلیسیمیا سے لڑنے والا پولیس افسر	95
14	بیلاروس جانے کا خواب یا موت کا سفر؟	102
15	سفیر محمد خالد جمالی: ماسکو میں پاکستان کے سفارتی وقار کے علمبردار	108
16	پوتن، شہباز ملاقات اور پاکستان کے مفادات	114
17	کشمیر: قربانیوں کا سفر اور آزادی کی جدوجہد	120
18	پوتن اور ٹرمپ کی ملاقات، عالمی سیاست کی نئی تشکیل	125
19	آلاسکا کی گونج! پوتن، ٹرمپ ملاقات اور دنیا کی امیدیں	130
20	ماسکو سے آلاسکا تک: امن کے لیے فیصلہ کن قدم	136

21	برکس برائے چین: مغرب کی بالادستی سے گریز	141
22	مغربی پابندیاں روسی معیشت کو تباہ کرنے میں ناکام، آخر کیوں؟	148
23	روس میں نام نہاد ”انصاف مارچ“	156
24	پاک روس تعلقات، نئی راہیں نئی جہتیں	163
25	روس، ترکی تعلقات، نفرت سے محبت تک	170
26	روس کی ”سٹارٹ“ میں شرکت معطل	176

کالم 1

روس کی انتظامی مشینری کیسے چلتی ہے، پاکستان کیا سیکھ سکتا ہے؟

تاریخِ اشاعت: 22 اگست 2026

گزشتہ کالم میں، میں نے ایک سادہ سا سوال اٹھایا تھا کہ 14 کروڑ سے کچھ زیادہ آبادی والا روس اگر 89 وفاقی اکائیوں میں تقسیم ہو کر چل سکتا ہے تو 24 کروڑ سے زیادہ آبادی رکھنے والا

پاکستان صرف چار صوبوں کے سہارے کیوں چل رہا ہے؟ قارئین نے اس سوال کو خاصی سنجیدگی سے لیا۔ بہت سے دوستوں نے رابطہ کیا، کچھ نے اتفاق کیا، کچھ نے اختلاف کیا، لیکن تقریباً ہر گفتگو آخر میں ایک ہی سوال پر آکر رک گئی کہ روس میں 89 اکائیاں تو بنا دی گئی ہیں، مگر آخر یہ نظام چلتا کیسے ہے؟

یہ سوال میرے لیے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ نقشے پر لکیریں کھینچ دینا آسان ہے، اصل امتحان ان لکیروں کے اندر حکومت چلانے کا ہے۔

روس میں رہتے ہوئے یہاں کے نظام کو دیکھیں تو پہلی بات جو سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ماسکو کی طرف نہیں دیکھا جاتا۔ روس ایک مضبوط مرکزی ریاست ضرور ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملک کے کسی دور دراز علاقے میں سکول، ہسپتال، علاقائی سڑک یا مقامی ترقی کا معاملہ ہو تو فائل اٹھ کر کریملن پہنچ جائے۔

روس کی 89 وفاقی اکائیوں کے نام بھی ایک جیسے نہیں۔ کہیں اوبلاست ہے، کہیں کرائے، کہیں جمہوریہ، کہیں خودمختار علاقہ اور ماسکو جیسے بڑے شہروں کی اپنی وفاقی حیثیت

ہے۔ لیکن عام پاکستانی قاری کے لیے ان پیچیدہ روسی اصطلاحات سے زیادہ اہم یہ سمجھنا ہے کہ یہ ملک مختلف انتظامی اکائیوں میں تقسیم ہے اور ان اکائیوں کے اپنے حکومتی ڈھانچے موجود ہیں۔

زیادہ تر علاقوں کا انتظامی سربراہ گورنر ہوتا ہے، جبکہ جمہوریاؤں میں اسے سربراہِ جمہوریہ کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی دور کرنا بھی ضروری ہے۔ روس کا گورنر ہمارے ہاں کے گورنر جیسا رسمی عہدہ نہیں۔ انتظامی لحاظ سے اس کا کردار زیادہ ہمارے وزیراعلیٰ کے قریب ہے۔ اس کے ساتھ علاقائی حکومت ہوتی ہے، قانون ساز ادارہ ہوتا ہے، بجٹ ہوتا ہے اور مختلف محکمے ہوتے ہیں۔

یعنی ماسکو میں بیٹھا وفاق یہ طے نہیں کرتا کہ روس کے ہر شہر اور ہر علاقے کی ہر سڑک کہاں بنے گی یا ہر ہسپتال کا روزمرہ انتظام کیسے چلے گا۔

یہیں سے پاکستان کے لیے پہلا سبق نکلتا ہے۔

ہر کام دارالحکومت کا کام نہیں ہوتا۔

پاکستان میں مسئلہ صرف یہ نہیں کہ ہمارے صوبے بہت بڑے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم نے اختیار کو اوپر جمع کرنے کی عادت بنا لی ہے۔ اسلام آباد اختیارات اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، صوبہ وفاق سے اختیارات مانگتا ہے لیکن جب وہی اختیار ضلع اور بلدیاتی حکومت کو دینے کی باری آتی ہے تو صوبائی حکومت بھی اسے اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اختیارات کی منتقلی کی ہماری گاڑی اسلام آباد سے چلتی ہے اور صوبائی دارالحکومت پہنچ کر رک جاتی ہے۔

روس میں علاقائی حکومت کے بعد معاملہ مزید نیچے جاتا ہے۔ مقامی اور میونسپل حکومتوں کا اپنا دائرۂ کار ہے۔ مقامی بجٹ، مقامی املاک، مقامی ٹیکس اور روزمرہ شہری نوعیت کے کئی معاملات وہیں طے کیے جاتے ہیں۔ ایک اصول خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگر کسی مقامی ادارے کو ریاست کی طرف سے اضافی ذمہ داری دی جائے تو اس ذمہ داری کے ساتھ مالی اور مادی وسائل کی فراہمی بھی قانون کا حصہ ہے۔

سادہ الفاظ میں کہیں تو کام دو گے تو پیسہ بھی دینا ہوگا۔

پاکستان میں اکثر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ذمہ داری نیچے دے دی جاتی ہے، اختیار اوپر رہتا ہے اور پیسہ کہیں درمیان میں رک جاتا ہے۔ پھر عوام اپنے منتخب میئر، چیئرمین یا بلدیاتی نمائندے سے سوال کرتے ہیں اور وہ جواب دیتا ہے کہ میرے پاس اختیار نہیں۔ اختیار رکھنے والا افسر عوام کے ووٹ سے آیا نہیں ہوتا اور جسے عوام نے ووٹ دیا ہوتا ہے اس کے پاس اختیار نہیں ہوتا۔

یہ گورننس کی وہ گرہ ہے جسے نئے صوبے بنا کر بھی نہ کھولا گیا تو کچھ زیادہ حاصل نہیں ہوگا۔

روس میں ایک اور سطح وفاقی اضلاع کی ہے۔ پورا ملک آٹھ وفاقی اضلاع میں تقسیم ہے۔ یہاں بھی ایک بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ آٹھ نئے صوبے نہیں اور ان کے سربراہ کوئی "سپر گورنر" نہیں ہوتے۔ ان میں روسی صدر کے نمائندے ہوتے ہیں، جن کا بنیادی کام وفاق اور مختلف علاقوں کے درمیان رابطہ، وفاقی فیصلوں پر عمل درآمد کی نگرانی اور علاقائی حالات سے مرکز کو باخبر رکھنا ہے۔

پاکستان کو یہ نظام نقل کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس کے پیچھے موجود سوچ ہمارے کام آسکتی ہے۔

مثلاً پانی کسی صوبے کی سرحد دیکھ کر بہنا بند نہیں کرتا۔ دریا ایک صوبے سے دوسرے میں جاتا ہے۔ موٹروے، ریلوے، بجلی کی ترسیل، گیس، ماحولیات اور تجارتی راہداریاں بھی صوبائی سرحدوں کی پابند نہیں۔ ایسے معاملات کے لیے ہمارے پاس مشترکہ مفادات کونسل جیسے آئینی ادارے موجود ہیں، مگر انہیں زیادہ مستقل، فعال اور مؤثر بنانے کی ضرورت ہے۔

اب ذرا پاکستان کی طرف واپس آئیں۔

ہم نئے صوبوں کی بات تو کر رہے ہیں، لیکن اس سے پہلے ہمیں ایک بنیادی سوال کا جواب دینا ہوگا۔ فرض کریں کل پاکستان میں آٹھ، دس یا بارہ صوبے بن جاتے ہیں۔ کیا ہر نئے صوبے میں وہی پرانا نظام کھڑا کر دینا ہے؟ ایک نیا گورنر ہاؤس، نیا وزیراعلیٰ ہاؤس، نئی اسمبلی، نیا سیکرٹریٹ، وزیروں اور مشیروں کی نئی فوج، نئی گاڑیاں اور پھر تمام اختیارات ایک نئے صوبائی دارالحکومت میں جمع؟

اگر یہی کرنا ہے تو ہم نے مسئلہ حل نہیں کیا، صرف اس کا پتا تبدیل کیا ہے۔

نئے صوبوں کا مقصد نئی سیاسی نوکریاں پیدا کرنا نہیں ہونا چاہیے۔ مقصد حکومت کو عوام کے قریب لانا ہونا چاہیے۔

میرے نزدیک پاکستان کے لیے نظام بہت پیچیدہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اصول سیدھا ہونا چاہیے۔ قومی نوعیت کا کام وفاق کرے۔ علاقائی نوعیت کا کام صوبہ کرے۔ ضلع اپنے معاملات خود چلائے اور محلے، شہر اور تحصیل کے روزمرہ مسائل منتخب مقامی حکومت حل کرے۔

جو کام یونین کونسل کر سکتی ہے اسے ضلع کے پاس نہ بھیجیں۔ جو ضلع کر سکتا ہے اسے صوبائی دارالحکومت نہ بھیجیں۔ جو صوبہ کر سکتا ہے اسے اسلام آباد نہ بھیجیں۔

اور جس سطح کو کام دیں، اسے اختیار، افسر اور پیسہ بھی دیں۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں نئے صوبوں کی موجودہ بحث سنجیدہ شکل اختیار کر سکتی ہے۔

وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی نے حال ہی میں موجودہ نظام کی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے نئے انتظامی یونٹس کی ضرورت پر بات کی ہے۔ دوسری طرف چیئرمین پنجاب گروپ میاں عامر محمود برسوں سے ہر ڈویژن کو صوبہ بنانے کی تجویز پیش کرتے آئے ہیں۔ ان کی اس تجویز سے اتفاق یا اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے پیچھے موجود بنیادی سوال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آخر ایک صوبہ انتظامی لحاظ سے کتنا بڑا ہونا چاہیے؟

یہ فیصلہ سیاست دان اکیلے نہ کریں۔

آئینی ماہر کو ساتھ بٹھائیں، معیشت دان کو بلائیں، پانی کے ماہر سے پوچھیں، مردم شماری سامنے رکھیں، محصولات دیکھیں، رقبہ دیکھیں، فاصلے دیکھیں اور سب سے بڑھ کر متعلقہ علاقوں کے لوگوں سے پوچھیں۔

پھر آٹھ، دس، بارہ صوبوں اور موجودہ ڈویژنوں کو صوبائی اکائیوں میں تبدیل کرنے سمیت مختلف ماڈل میز پر رکھ دیے جائیں۔ ہر ماڈل کے ساتھ قوم کو بتایا جائے کہ اس پر خرچ کتنا

آئے گا، آمدن کہاں سے ہوگی، پانی کیسے تقسیم ہوگا، ملازمین کا کیا ہوگا اور عوام کو عملی فائدہ کیا ملے گا۔

مجھے روسی نظام کی ایک بات پاکستان کے تناظر میں خاص طور پر اہم لگتی ہے۔ یہاں مختلف علاقوں کا ایک ہی سانچے میں ہونا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ روس کی کسی اکائی کو جمہوریہ کہا جاتا ہے، کسی کو اوبلاست، کسی کو کرائے اور کسی بڑے شہر کی اپنی وفاقی حیثیت ہے۔ اس کی تاریخی وجوہات اپنی جگہ، مگر انتظامی سبق یہ ہے کہ ایک بڑے ملک کے ہر علاقے کو لازماً ایک ہی پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا۔

پاکستان میں بھی بلوچستان کو پنجاب کے پیمانے سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بلوچستان میں آبادی کم ہے مگر فاصلے بہت بڑے ہیں۔ پنجاب میں رقبے سے زیادہ آبادی کا دباؤ اہم ہے۔ گلگت بلتستان میں پہاڑی جغرافیہ، فاصلے اور سرحدی اہمیت الگ نوعیت کے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ آزاد جموں و کشمیر کی اپنی مخصوص تاریخی، قانونی اور سیاسی حیثیت ہے۔

اس لیے اگر ہم واقعی انتظامی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں ایک ایسا پاکستانی ماڈل بنانا ہوگا جو پاکستان کی زمین، آبادی اور ضروریات سے نکلے، کسی دوسرے ملک کی فوٹو کاپی نہ ہو۔

اور ایک بات جس پر میں خاص طور پر زور دینا چاہوں گا، نئے صوبوں کے ساتھ بلدیاتی حکومتوں کو آئینی اور مالی تحفظ دیے بغیر یہ پوری مشق ادھوری رہے گی۔

ہم پاکستان میں ایک عجیب چکر بار بار دیکھتے ہیں۔ جمہوریت آتی ہے تو قومی اور صوبائی اسمبلیاں قائم ہو جاتی ہیں، لیکن بلدیاتی انتخابات کبھی وقت پر ہوتے ہیں اور کبھی برسوں انتظار کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ایک عام شہری کا واسطہ خارجہ پالیسی سے روز نہیں پڑتا، اس کا واسطہ گلی، پانی، سیوریج، صفائی، ٹرانسپورٹ، سکول، بنیادی ہسپتال اور مقامی پولیس سے پڑتا ہے۔

یعنی جس حکومت کی شہری کو روز ضرورت ہے، وہی ہماری جمہوریت کی سب سے کمزور کڑی ہے۔

نئے انتظامی نظام میں یہ غلطی نہیں دہرانی چاہیے۔

ہر صوبے کو پابند کیا جائے کہ مقامی حکومتوں کے انتخابات مقررہ مدت پر ہوں۔ ان کا حصہ صوبائی مالیاتی کمیشن کے ذریعے خودکار انداز میں منتقل ہو۔ صوبائی وزیراعلیٰ اپنی مرضی سے میئر کے اختیارات واپس نہ لے سکے اور میئر بھی عوام کے سامنے اپنے شہر کی کارکردگی کا جواب دہ ہو۔

تب جا کر نئے صوبوں کا فائدہ گورنر ہاؤس سے نکل کر عام آدمی کی گلی تک پہنچے گا۔

روس سے ہمیں 89 کا ہندسہ نہیں سیکھنا۔ نہ روسی نظام کو اٹھا کر پاکستان میں رکھ دینا مسئلے کا حل ہے۔

سیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ایک بڑی ریاست میں ہر فیصلہ مرکز نہیں کرتا۔ اختیار مختلف سطحوں تک جاتا ہے، ذمہ داری متعین ہوتی ہے، اس کے ساتھ وسائل جاتے ہیں اور پھر اسی سطح سے جواب بھی مانگا جاتا ہے۔

پاکستان میں نئے صوبے ضرور زیر بحث آنے چاہییں، لیکن اس بحث کا آغاز نقشے سے نہیں بلکہ اختیار کی تقسیم سے ہونا چاہیے۔

پہلے طے کریں اسلام آباد کیا کرے گا، صوبہ کیا کرے گا، ضلع کیا کرے گا اور مقامی حکومت کیا کرے گی۔ پھر ہر سطح کے وسائل اور جواب دہی طے کریں۔ اس کے بعد نقشہ بنانا نسبتاً آسان ہوگا۔

ورنہ خدشہ یہی ہے کہ چار بڑے صوبوں کی جگہ دس یا بارہ چھوٹے صوبے تو بن جائیں گے، لیکن عام پاکستانی پھر بھی اپنی ایک فائل لیے کسی نئے دارالحکومت کے چکر لگا رہا ہوگا۔

اصل اصلاح نئے صوبے بنانا نہیں، حکومت کو عوام کے دروازے تک پہنچانا ہے۔ نئے صوبے اس منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، منزل خود نہیں۔

کالم 2

چودہ کروڑ کا روس نواسی اکائیوں میں، چوبیس کروڑ کا پاکستان صرف چار صوبوں میں کیوں؟

تاریخِ اشاعت: 19 اگست 2026

دنیا کے سب سے بڑے ملک روس میں رہتے ہوئے اس کے انتظامی نظام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو ایک سوال بار بار ذہن میں آتا ہے کہ 14 کروڑ 61 لاکھ آبادی رکھنے والا

روس اگر 89 وفاقی اکائیوں کے ذریعے چلایا جا سکتا ہے تو 24 کروڑ سے زیادہ آبادی رکھنے والا پاکستان بنیادی طور پر صرف چار صوبوں کے ذریعے کیوں چلایا جا رہا ہے؟ یہ سوال محض صوبوں کی تعداد کا نہیں بلکہ گورننس، عوام تک ریاست کی رسائی، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور مستقبل کے پاکستان کا ہے۔

روس کی سرکاری شماریاتی ایجنسی روسٹٹ کے مطابق یکم جنوری 2025 کو روس کی مستقل آبادی تقریباً 146.12 ملین، یعنی 14 کروڑ 61 لاکھ تھی۔ روسی فیڈریشن 89 وفاقی اکائیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں 24 جمہوریائیں، 48 اوبلاست، 9 کرائے، 3 وفاقی شہر، 4 خودمختار اضلاع اور ایک خودمختار اوبلاست شامل ہیں۔ عام فہم زبان میں اوبلاست اور کرائے کو صوبائی یا علاقائی اکائیوں کے قریب سمجھا جا سکتا ہے۔

روس کی بیشتر وفاقی اکائیوں میں انتظامی سربراہ گورنر ہوتا ہے، جبکہ جمہوریاؤں میں عموماً اسے سربراہِ جمہوریہ کہا جاتا ہے۔ ان علاقوں کے اپنے قانون ساز ادارے، علاقائی حکومتیں اور بجٹ ہوتے ہیں۔ روس کو مزید آٹھ وفاقی اضلاع میں بھی تقسیم کیا گیا ہے، جہاں صدر

کے نمائندے مرکز اور علاقائی حکومتوں کے درمیان رابطے اور وفاقی پالیسی پر عمل درآمد کی نگرانی کرتے ہیں۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ پاکستان کو روس کی نقل کرتے ہوئے 89 صوبے بنانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ روس رقبے کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور اس کے جغرافیائی حالات پاکستان سے بالکل مختلف ہیں۔ لیکن روس کا انتظامی ڈھانچہ ہمیں ایک بنیادی اصول ضرور سمجھاتا ہے کہ بڑے ملک اور بڑی آبادی کو قابلِ انتظام اکائیوں میں تقسیم کرنا وفاق کو کمزور کرنا نہیں ہوتا۔

اب پاکستان کی طرف آئیں۔

پاکستان بیورو آف اسٹیٹسٹکس کی 2023 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 241.50 ملین، یعنی 24 کروڑ 15 لاکھ تھی۔ اس میں پنجاب کی آبادی 12 کروڑ 77 لاکھ، سندھ کی 5 کروڑ 57 لاکھ، خیبر پختونخوا کی 4 کروڑ 9 لاکھ، بلوچستان کی ایک کروڑ 49 لاکھ اور اسلام آباد کی تقریباً 24 لاکھ تھی۔

یہ اعداد سامنے رکھ کر روس اور پاکستان کا موازنہ انتہائی دلچسپ بلکہ غور طلب ہو جاتا ہے۔

روس کی پوری آبادی تقریباً 14 کروڑ 61 لاکھ ہے جبکہ صرف پنجاب کی آبادی تقریباً 12 کروڑ 77 لاکھ ہے۔ یعنی ایک پاکستانی صوبے کی آبادی پورے روس سے صرف تقریباً ایک کروڑ 84 لاکھ کم ہے۔ لیکن روس میں 89 وفاقی اکائیاں ہیں جبکہ پنجاب کی تقریباً 13 کروڑ آبادی ایک وزیر اعلیٰ، ایک صوبائی کابینہ، ایک چیف سیکرٹری اور ایک مرکزی صوبائی انتظامیہ کے تحت چل رہی ہے۔

اگر صرف ریاضی کی اوسط نکالی جائے تو روس کی 89 وفاقی اکائیوں پر فی اکائی اوسط آبادی تقریباً 16 لاکھ بنتی ہے۔ پاکستان کے چار صوبوں کی 2023 کی مجموعی آبادی کو دیکھا جائے تو اوسط تقریباً 6 کروڑ فی صوبہ بنتی ہے۔ یقیناً انتظامی اکائیاں صرف آبادی تقسیم کر کے نہیں بنائی جاتیں، لیکن دونوں اعداد کے درمیان یہ غیر معمولی فرق ہمیں سوچنے پر مجبور ضرور کرتا ہے۔

اسی پس منظر میں وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی کا حالیہ بیان غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ پاکستان اکنامک سمٹ میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے موجودہ نظامِ حکمرانی کو "کولیپس" قرار دیتے ہوئے نئے انتظامی یونٹس یا صوبوں کی ضرورت کی بات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ سیاسی جماعتوں کو اس معاملے پر مل بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ موجودہ نظام کے بجائے ملک کو زیادہ موثر انتظامی اکائیوں کے ذریعے کیسے چلایا جا سکتا ہے۔ ان کے بیان کے بعد نئے صوبوں کا معاملہ ایک بار پھر قومی بحث کا حصہ بن گیا۔

یہاں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ پاکستان میں انتظامی بنیادوں پر زیادہ صوبوں کے قیام کی بحث نئی نہیں۔ چیئرمین پنجاب گروپ میاں عامر محمود طویل عرصے سے اس موقف کے حامی رہے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ ڈویژنوں کو صوبوں کا درجہ دے کر حکومت اور انتظامیہ کو عوام کے قریب لایا جائے۔ ان کا بنیادی استدلال یہ رہا ہے کہ کروڑوں افراد پر مشتمل بڑے صوبوں کے بجائے چھوٹی اور قابلِ انتظام اکائیاں بہتر گورننس، وسائل کی موثر تقسیم اور عوامی مسائل کے فوری حل میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ موجودہ حالات میں جب ملک

کی آبادی 24 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور نئے صوبوں کی بحث ایک بار پھر قومی سطح پر سامنے آئی ہے، میاں عامر محمود کی برسوں پہلے پیش کی گئی ہر ڈویژن کو صوبہ بنانے کی تجویز بھی سنجیدہ قومی بحث اور تقابلی جائزے کی متقاضی ہے۔

محسن نقوی کے حالیہ بیان کے بعد سوشل میڈیا پر پاکستان کے مختلف مجوزہ انتظامی نقشے بھی زیر گردش آئے۔ بعض نقشوں میں موجودہ صوبوں کو کئی چھوٹی انتظامی اکائیوں میں تقسیم دکھایا گیا ہے جبکہ گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر کو ان کی الگ حیثیت کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ ایسے نقشوں کو کسی سرکاری منصوبے یا منظور شدہ حکومتی تجویز کے طور پر نہیں دیکھا جانا چاہیے۔ یہ غیر سرکاری تصورات ہیں، لیکن ان کا سامنے آنا اس بات کی علامت ضرور ہے کہ نئے صوبوں کی بحث اب محض چند علاقوں کے دیرینہ مطالبات تک محدود نہیں رہی۔

میرے نزدیک اصل سوال یہ نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان میں آٹھ صوبے بنیں، دس بنیں، بارہ بنیں یا ہر ڈویژن کو صوبے کا درجہ دے دیا جائے۔ اصل سوال یہ ہونا چاہیے کہ ایک انتظامی اکائی کتنی بڑی ہونی چاہیے کہ حکومت واقعی اپنے شہری تک پہنچ سکے؟

پاکستان کا موجودہ انتظامی نقشہ اس وقت تشکیل پایا تھا جب آبادی آج کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ آج پاکستان کی آبادی 24 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور مسلسل بڑھ رہی ہے۔ آبادی کے نئے مراکزپیدا ہو چکے ہیں، تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ، پولیس، روزگار، ماحولیات اور شہری منصوبہ بندی کے مسائل کئی گنا پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ایسے میں یہ تصور کہ چار صوبائی حکومتیں آنے والی کئی دہائیوں تک پورے ملک کی علاقائی ضروریات موثر طور پر سنبھال لیں گی، ازسرنو جائزے کا تقاضا کرتا ہے۔

لیکن نئے صوبے صرف اس لیے نہیں بننے چاہئیں کہ کسی علاقے کی زبان الگ ہے یا کسی سیاسی جماعت کو ایک نیا وزیر اعلیٰ چاہیے۔ اگر ہم نے نئے صوبوں کو صرف لسانی، نسلی یا سیاسی بنیادوں پر تقسیم کیا تو انتظامی اصلاح ایک نئےتنازع میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

نئے صوبوں کی بنیاد کم از کم چھ عوامل پر ہونی چاہیے : آبادی، جغرافیہ، انتظامی فاصلے، معاشی استعداد، تاریخی و ثقافتی شناخت اور عوامی رضامندی۔

بلوچستان جیسے وسیع صوبے کو صرف آبادی کی عینک سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہاں فاصلے اور رقبہ بنیادی مسئلہ ہیں۔ اسی طرح انتہائی گنجان آباد علاقوں میں رقبہ چھوٹا ہونے کے باوجود آبادی کا دباؤ انتظامی تقسیم کا جواز پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے پورے پاکستان پر ایک ہی فارمولا لاگو نہیں کیا جا سکتا۔

میری رائے میں حکومت کو آج یہ اعلان نہیں کرنا چاہیے کہ پاکستان کو لازماً دس یا بارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ زیادہ دانشمندانہ راستہ یہ ہو گا کہ پارلیمنٹ ایک قومی کمیشن برائے انتظامی تشکیل نو قائم کرے۔

اس کمیشن میں آئینی ماہرین، سابق ججز، ماہرین معیشت، مردم شماری کے ماہرین، جغرافیہ دان، پانی اور قدرتی وسائل کے ماہرین، چاروں صوبوں، گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر کے نمائندے، بلدیاتی نظام کے ماہرین اور تمام بڑی سیاسی جماعتوں کو نمائندگی دی جائے۔

اس کمیشن کو مختلف ماڈلز تیار کرنے چاہئیں۔ ایک آٹھ صوبوں کا پاکستان، دوسرا دس صوبوں کا، تیسرا بارہ صوبوں کا اور اس کے ساتھ میاں عامر محمود کی ہر ڈویژن کو صوبہ بنانے کی

تجویز کا بھی انتظامی اور مالیاتی بنیادوں پر باقاعدہ جائزہ لیا جائے۔ پھر قوم کے سامنے بتایا جائے کہ ہر ماڈل میں آبادی، رقبہ، محصولات، پانی، قدرتی وسائل، سرکاری ملازمین، ترقیاتی اخراجات اور پارلیمانی نمائندگی کی صورت کیا ہو گی۔

اگر پاکستان 12 قابلِ انتظام صوبائی اکائیوں کی طرف جاتا ہے تو موجودہ آبادی کے حساب سے اوسط تقریباً دو کروڑ افراد فی صوبہ بنتی ہے۔ اگر آٹھ صوبے ہوں تو اوسط تقریباً تین کروڑ بنتی ہے۔ دونوں صورتوں میں موجودہ تقریباً چھ کروڑ فی صوبہ کی اوسط سے انتظامی بوجھ نمایاں طور پر کم ہو سکتا ہے۔

البتہ نئے صوبے بنانے سے پہلے ایک بہت اہم سوال حل کرنا ہو گا کہ کیا ہم نئے صوبے عوام کے لیے بنائیں گے یا سیاست دانوں اور بیوروکریسی کے لیے؟

اگر ہر نئے صوبے کے ساتھ نیا عالی شان گورنر ہاؤس، وزیراعلیٰ ہاؤس، اربوں روپے کا اسمبلی کمپلیکس، وزرا کی لمبی فوج، مشیر، نئی گاڑیاں، نئی رہائش گاہیں اور ہزاروں اضافی سرکاری عہدے پیدا کرنے ہیں تو ایسے صوبوں کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو گا۔

نئے صوبوں کے قیام کے ساتھ قانون بنا دیا جائے کہ کم از کم پہلے دس سال کوئی نیا گورنر ہاؤس یا وزیر اعلیٰ ہاؤس تعمیر نہیں ہو گا۔ موجودہ سرکاری عمارتیں استعمال کی جائیں۔ صوبائی اسمبلیاں مختصر ہوں، کابینہ محدود ہو اور زیادہ سے زیادہ سرکاری خدمات ڈیجیٹل ہوں۔

نئے صوبوں کا مقصد نئی حکومتیں پیدا کرنا نہیں بلکہ حکومت کو چھوٹا اور قریب کرنا ہونا چاہیے۔

اس سے بھی زیادہ ضروری بلدیاتی نظام ہے۔ اگر موجودہ صوبائی دارالحکومتوں کے اختیارات تقسیم کر کے نئے صوبائی دارالحکومتوں کو دے دیے گئے اور نئے صوبے بھی اختیارات اپنے پاس رکھ بیٹھے تو عام شہری کی زندگی میں زیادہ فرق نہیں آئے گا۔

ہر نئے صوبے کے ساتھ ضلع، تحصیل، ٹاؤن اور یونین کونسل کی سطح پر منتخب اور مالی طور پر با اختیار حکومت ہونی چاہیے۔ پانی، صفائی، مقامی سڑکیں، بنیادی صحت، پرائمری تعلیم، مقامی ٹرانسپورٹ، پارک، تعمیراتی کنٹرول اور متعدد شہری خدمات مقامی حکومتوں کے پاس ہونی چاہئیں۔

نئے صوبوں کے معاملے میں ایک اور بڑا سوال وسائل کا ہو گا۔ پانی کس کا ہو گا؟ گیس اور معدنیات سے آمدن کیسے تقسیم ہو گی؟ سرکاری ملازمین کس صوبے میں جائیں گے؟ صوبائی قرضے اور اثاثے کیسے تقسیم ہوں گے؟ قومی مالیاتی کمیشن کا فارمولا کیا ہو گا؟

یہ تمام معاملات صوبے بنانے کے بعد نہیں بلکہ صوبے بنانے سے پہلے حل ہونے چاہئیں۔

نئے قومی مالیاتی فارمولے میں صرف آبادی نہیں بلکہ غربت، رقبہ، پسماندگی، محصولات، بنیادی سہولتوں کی کمی اور سرحدی ضروریات کو بھی وزن ملنا چاہیے۔ قدرتی وسائل پیدا کرنے والے ضلع کو بھی براہ راست رائلٹی ملنی چاہیے تاکہ مقامی آبادی دیکھ سکے کہ اس کی زمین سے نکلنے والے وسائل کا فائدہ اس کے اپنے علاقے تک پہنچ رہا ہے۔

گلگت بلتستان کو بھی اس پوری بحث سے باہر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی جغرافیائی، سرحدی، آبی اور اقتصادی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس کی مخصوص آئینی حیثیت کو مدنظر

رکھتے ہوئے اسے قومی مالیاتی اور فیصلہ سازی کے نظام میں زیادہ موثر مقام دینے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح آزاد جموں و کشمیر کی اپنی مخصوص تاریخی، سیاسی اور قانونی حیثیت ہے۔ اسے عام صوبائی تقسیم میں شامل کرنے کے بجائے اس کی موجودہ حیثیت کا احترام کرتے ہوئے وہاں حکمرانی، مالی شفافیت، مقامی حکومت اور پاکستان کے قومی ترقیاتی منصوبوں کے ساتھ رابطے کو مزید مضبوط کیا جا سکتا ہے۔

اس پورے معاملے کو پنجاب بمقابلہ باقی پاکستان، شہری بمقابلہ دیہی، یا کسی ایک قومیت بمقابلہ دوسری قومیت بنانے سے بچانا ہو گا۔ نئے صوبوں کا مقصد کسی موجودہ صوبے کی طاقت توڑنا نہیں ہونا چاہیے۔ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ریاست کا انتظام بہتر ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ کسی زیرِ گردش سوشل میڈیا نقشے کو پاکستان کا مستقبل تصور نہ کر لیا جائے۔ نقشہ آخر میں بننا چاہیے، پہلے اصول طے ہونے چاہئیں۔ پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ

ایک قابلِ انتظام صوبے کا معیار کیا ہو گا، اس کے بعد مردم شماری، معیشت، جغرافیہ، وسائل اور عوامی رائے کی بنیاد پر سرحدیں متعین ہوں۔

وزیر داخلہ محسن نقوی کے بیان نے کم از کم ایک اہم قومی سوال دوبارہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اختلاف اس بات پر ہو سکتا ہے کہ نئے صوبے کتنے ہوں، ان کی حدود کیا ہوں اور انہیں کب بنایا جائے، لیکن اس سوال سے نظریں چرانا مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ 24 کروڑ سے زیادہ آبادی والے پاکستان کا موجودہ انتظامی ڈھانچہ آنے والی کئی دہائیوں کے لیے کافی ہے یا نہیں۔

روس ہمارے سامنے صرف ایک تقابلی مثال ہے۔ تقریباً 14 کروڑ 61 لاکھ آبادی، 89 وفاقی اکائیاں اور متعدد سطحوں پر علاقائی انتظام۔ دوسری جانب پاکستان کی 24 کروڑ سے زیادہ آبادی اور صرف چار بنیادی صوبے، جبکہ اسلام آباد، گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر اپنی الگ انتظامی و آئینی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمیں 89 صوبے نہیں چاہئیں۔ ہمیں اتنی انتظامی اکائیاں ضرور چاہئیں جتنی ایک جدید، تیزی سے بڑھتی ہوئی 24 کروڑ کی ریاست کو موثر طریقے سے چلانے کے لیے درکار ہیں۔

پاکستان کو اب نقشے پر نئی لکیریں کھینچنے سے پہلے ایک نیا انتظامی فلسفہ اپنانا ہو گا۔ ایسا نظام جس میں وفاق مضبوط ہو، صوبے قابلِ انتظام ہوں، سینیٹ متوازن ہو، گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر کی مخصوص حیثیت اور ضروریات کا احترام ہو، وسائل منصفانہ تقسیم ہوں اور بلدیاتی حکومتیں حقیقی معنوں میں با اختیار ہوں۔

آخر کار نئے صوبوں کی کامیابی کا فیصلہ ان کی تعداد سے نہیں ہو گا۔ اصل سوال یہ ہو گا کہ کیا ایک عام پاکستانی کو اپنے بچے کے سکول، علاج، زمین، روزگار، پولیس، انصاف، صاف پانی اور بنیادی سرکاری سہولت کے لیے پہلے سے بہتر اور تیز نظام ملا یا نہیں۔

اگر جواب ہاں میں ہے تو نئے صوبے پاکستان کو تقسیم نہیں کریں گے، بلکہ اختیارات، وسائل اور ذمہ داری کو تقسیم کر کے پاکستان کے وفاق کو زیادہ مضبوط کر سکتے ہیں۔

کالم 3

روس تک پاکستانی برآمدات کو درپیش نئے چیلنجز

تاریخِ اشاعت: 6 اگست 2026

روس میں مقیم پاکستانی تاجر اس وقت شدید مشکلات سے دوچار ہیں۔ تجارت صرف معیاری مصنوعات تیار کرنے کا نام نہیں بلکہ محفوظ، تیز رفتار اور کم لاگت ترسیل بھی کامیاب کاروبار کی بنیادی شرط ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان اس وقت اپنی برآمدات میں اضافے

سے زیادہ اپنی تجارتی راہداریوں کو برقرار رکھنے کے چیلنج کا سامنا کر رہا ہے۔ جب تجارتی راستے غیر یقینی، غیر محفوظ یا بار بار بندش کا شکار ہوں تو بہترین پاکستانی مصنوعات بھی عالمی منڈیوں تک بروقت نہیں پہنچ پاتیں۔ اس کا براہ راست اثر برآمدات، کاروباری اعتماد اور ملکی معیشت پر پڑتا ہے۔ یہی صورتحال آج روس میں کاروبار کرنے والے پاکستانی تاجروں کی سب سے بڑی تشویش بن چکی ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں عالمی پابندیوں، علاقائی تنازعات اور بدلتی ہوئی جغرافیائی سیاست نے روس اور پاکستان کے درمیان تجارتی سرگرمیوں کو براہ راست متاثر کیا ہے۔ سمندری راستوں پر شپنگ کمپنیوں کو مختلف مشکلات کا سامنا رہا جس کے باعث بہت سے پاکستانی تاجروں نے زمینی راستے کو ترجیح دی۔ افغانستان کے ذریعے بائی روڈ کارگو روس اور وسطی ایشیا تک نسبتاً بہتر اور کم خرچ ذریعہ بن چکا تھا۔ پاکستان سے ٹیکسٹائل، چمڑے کی مصنوعات، کھیلوں کا سامان، خوراک اور دیگر اشیاء اسی راستے سے بڑی تعداد میں روانہ کی جا رہی تھیں۔

لیکن پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدی کشیدگی اور بارڈر کی بندش نے اس پورے نظام کو شدید متاثر کر دیا۔ اس کا نقصان صرف دونوں ہمسایہ ممالک تک محدود نہیں رہا بلکہ روس، قازقستان، ازبکستان اور دیگر وسطی ایشیائی منڈیوں تک پاکستانی مصنوعات کی رسائی بھی متاثر ہوئی۔ سب سے زیادہ مشکلات ان پاکستانی تاجروں کو پیش آئیں جو برسوں سے روس میں کاروبار کر رہے ہیں اور جن کا انحصار اسی زمینی راستے پر تھا۔

بارڈر بند ہونے کے بعد بہت سے تاجروں نے ایران کے راستے سامان بھیجنے کی کوشش کی۔ لیکن خطے میں ایران سے متعلق پیدا ہونے والی کشیدگی اور غیر یقینی صورتحال نے اس متبادل راستے کو بھی مہنگا اور مشکل بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف ٹرانسپورٹ کے اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوا بلکہ سامان کی ترسیل کا وقت بھی کئی گنا بڑھ گیا۔ وقت پر آرڈر پورے نہ ہونے کی وجہ سے روسی خریداروں کا اعتماد بھی متاثر ہونے لگا ہے۔

ماسکو میں پاکستانی بزنس کمیونٹی کا کہنا ہے کہ پہلے جو سامان نسبتاً کم وقت میں پہنچ جاتا تھا، اب اس میں کئی ہفتوں کی تاخیر ہو جاتی ہے۔ کرایوں میں اضافہ ہو چکا ہے، رسک بڑھ گیا

ہے اور ہر نئی کھیپ بھیجتے وقت یہ خدشہ موجود رہتا ہے کہ کہیں راستے میں کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے۔ کاروبار میں غیر یقینی صورتحال ہمیشہ سرمایہ کار کے اعتماد کو کمزور کرتی ہے، اور یہی اس وقت پاکستانی تاجروں کی سب سے بڑی تشویش ہے۔

روس ایک بڑی اور اہم مارکیٹ ہے جہاں پاکستانی مصنوعات کے لیے گنجائش موجود ہے۔ پاکستانی ٹیکسٹائل، ڈینم، چمڑے کی مصنوعات، کھیلوں کا سامان، سرجیکل آلات، چاول، آم اور دیگر زرعی مصنوعات روسی صارفین میں اپنی جگہ بنا سکتی ہیں۔ لیکن اگر سپلائی چین ہی متاثر رہے تو یہ مواقع رفتہ رفتہ دوسرے ممالک کے حصے میں جا سکتے ہیں۔

یہ صورتحال صرف تاجروں کا مسئلہ نہیں بلکہ قومی معیشت کا معاملہ ہے۔ پاکستان کو اپنی برآمدات بڑھانے کے لیے نئی منڈیاں تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ان منڈیوں تک رسائی کے محفوظ راستوں کو بھی یقینی بنانا ہو گا۔ افغانستان کے ساتھ تجارتی معاملات میں بہتری، زمینی راہداریوں کی بحالی اور خطے کے ممالک کے ساتھ موثر سفارتی رابطے وقت کی اہم

ضرورت ہیں۔ اسی طرح متبادل تجارتی راستوں پر بھی عملی پیش رفت کی ضرورت ہے تاکہ کسی ایک راستے کی بندش پورے تجارتی نظام کو مفلوج نہ کر سکے۔

حکومت پاکستان کو بیرون ملک مقیم پاکستانی تاجروں سے باقاعدہ مشاورت کا نظام بھی قائم کرنا چاہیے۔ روس اور وسطی ایشیا میں موجود پاکستانی کاروباری افراد زمینی حقائق سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے تجربات اور تجاویز کو قومی تجارتی پالیسی کا حصہ بنایا جائے تو بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

آج دنیا میں وہی ممالک کامیاب ہیں جو اپنی تجارت کو سیاسی کشیدگی سے حتیٰ الامکان محفوظ رکھنے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ پاکستان کے لیے بھی یہی وقت ہے کہ وہ علاقائی سفارت کاری، تجارتی روابط اور ٹرانزٹ سہولتوں کو قومی ترجیح بنائے۔ اگر بروقت فیصلے نہ کیے گئے تو نہ صرف موجودہ برآمدات متاثر ہوں گی بلکہ مستقبل میں نئی منڈیوں تک رسائی بھی مشکل ہو سکتی ہے۔

ماسکو سے دیکھیں تو تصویر بالکل واضح نظر آتی ہے۔ پاکستانی مصنوعات کی مانگ موجود ہے، خریدار بھی موجود ہیں اور کاروبار کے مواقع بھی موجود ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ پاکستان اپنی تجارتی راہداریوں کو محفوظ، مستحکم اور قابل اعتماد بنانے کے لیے عملی اقدامات کرے۔ اگر ایسا ہو گیا تو نہ صرف روس بلکہ پورے یوریشیائی خطے میں پاکستانی تجارت کے لیے نئے دروازے کھل سکتے ہیں۔

کالم 4

کیا پاکستانی طلبہ کو یوکرین جانا چاہیے؟

تاریخِ اشاعت: 11 جولائی 2026

فروری 2022 میں جب روس نے یوکرین میں خصوصی فوجی آپریشن کا آغاز کیا تو دنیا ایک نئے بحران سے دوچار ہو گئی۔ اس کے بعد لاکھوں یوکرینی اپنے گھروں سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے، جبکہ ہزاروں غیر ملکی طلبہ، جن میں پاکستانی بھی شامل تھے، اپنی جانوں کے تحفظ کے

لیے یوکرین چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ سرحدوں پر رش، شدید سردی، بے یقینی اور خوف کی وہ تصاویر آج بھی دنیا کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔

آج، چند برس بعد ، ایک نئی صورتحال سامنے آ رہی ہے۔ پاکستان میں متعدد تعلیمی کنسلٹنٹس یوکرین کی جامعات میں داخلوں اور اسٹوڈنٹ ویزوں کی بھرپور تشہیر کر رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر اشتہارات دیے جا رہے ہیں، سیمینار منعقد ہو رہے ہیں اور والدین و طلبہ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ یوکرین میں تعلیم حاصل کرنا ایک بہترین موقع ہے۔

یہاں سوال کسی ملک یا اس کے تعلیمی نظام پر تنقید کا نہیں، بلکہ پاکستانی طلبہ اور ان کے والدین کے مستقبل کا ہے۔

2026 کے وسط تک بھی یوکرین کی سیکیورٹی صورتحال مکمل طور پر معمول پر نہیں آئی۔ ملک کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً ڈرون اور میزائل حملوں کی اطلاعات سامنے آتی رہتی ہیں، فضائی حملوں کے سائرن اب بھی روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں، جبکہ کئی علاقوں میں حفاظتی اقدامات بدستور نافذ ہیں۔ اگرچہ متعدد جامعات نے تدریسی سرگرمیاں بحال کر دی ہیں اور

بعض ادارے ہائبرڈ یا آن لائن نظام کے ذریعے تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں، لیکن مجموعی صورتحال اب بھی غیر یقینی ہے۔

ایسے میں یہ سوال اٹھانا ضروری ہے کہ کیا پاکستانی طلبہ اور ان کے والدین کو مکمل حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے؟

کیا انہیں بتایا جاتا ہے کہ جس شہر میں انہیں بھیجا جا رہا ہے وہاں کی سیکیورٹی صورتحال کیا ہے؟ کیا انہیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اگر حالات اچانک تبدیل ہو جائیں تو ان کے انخلا کا کیا منصوبہ ہو گا؟ کیا کنسلٹنٹس صرف داخلہ دلوانے اور ویزا حاصل کرنے تک محدود ہیں یا بعد ازاں بھی طلبہ کی رہنمائی اور مدد کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں؟

یہ بھی حقیقت ہے کہ یوکرین کی کئی جامعات بین الاقوامی طلبہ کو داخلے دے رہی ہیں اور تعلیمی نظام کو بحال رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ ان کا حق بھی ہے اور ان کی ضرورت بھی۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ سیکیورٹی خطرات مکمل طور پر ختم

نہیں ہوئے۔ اس لیے ہر طالب علم اور اس کے والدین کو فیصلہ مکمل معلومات، زمینی حقائق اور ممکنہ خطرات کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے۔

پاکستان سے ہر سال ہزاروں نوجوان بہتر مستقبل کی امید میں بیرون ملک تعلیم کے لیے جاتے ہیں۔ ان کے والدین اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی ان کے خوابوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ایسے میں کسی بھی فیصلے کی بنیاد صرف کم فیس، آسان داخلہ یا فوری ویزا نہیں ہونی چاہیے، بلکہ سیکیورٹی، رہائش، طبی سہولیات، سفری راستے، سفارتی معاونت اور ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے انتظامات کو بھی برابر اہمیت دی جانی چاہیے۔

یہاں ایک اور اہم سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کیا پاکستان میں بیرون ملک تعلیم کے لیے کام کرنے والے کنسلٹنٹس کے لیے کوئی ایسا ضابطۂ اخلاق موجود ہے جس کے تحت وہ طلبہ کو متعلقہ ملک کی موجودہ سیکیورٹی صورتحال، ممکنہ خطرات اور سفری چیلنجز سے تحریری طور پر آگاہ کریں؟ اگر نہیں، تو اس جانب توجہ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

میرا مقصد کسی طالب علم کو خوفزدہ کرنا یا کسی ملک کی مخالفت کرنا نہیں، بلکہ ایک ذمہ دار صحافی کی حیثیت سے ایک اہم سوال اٹھانا ہے۔ اگر چند سال پہلے یہی طلبہ اپنی جان بچانے کے لیے یوکرین چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے، تو آج انہی طلبہ کی نئی نسل کو دوبارہ وہاں بھیجنے سے پہلے ہر پہلو کا غیر جانبدارانہ جائزہ لینا چاہیے۔

تعلیم یقیناً زندگی بدل دیتی ہے، لیکن ایک غلط فیصلہ زندگی کو مشکل بھی بنا سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے نوجوان صرف خواب ہی نہ دیکھیں بلکہ حقائق کو بھی جانیں۔ بیرون ملک تعلیم کا انتخاب صرف داخلہ اور ویزا کا معاملہ نہیں، بلکہ زندگی، سلامتی اور مستقبل کا فیصلہ بھی ہے۔ ایسے فیصلے جذبات، اشتہارات یا دلکش وعدوں کی بنیاد پر نہیں، بلکہ تحقیق، شفاف معلومات اور زمینی حقائق کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ محفوظ مستقبل ہی کامیاب مستقبل کی بنیاد ہوتا ہے۔

کالم 5

پوتن کا تاریخی دورۂ چین اور بدلتی عالمی سیاست

تاریخِ اشاعت: 21 مئی 2026

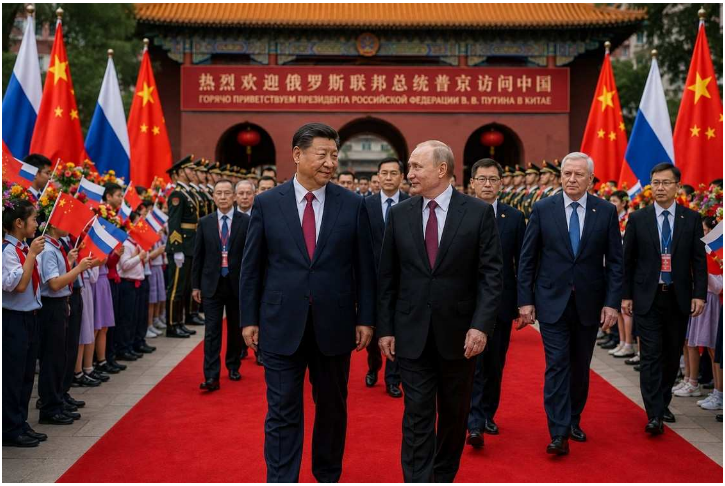

دنیا ایک بار پھر ایک نئے عالمی سیاسی اور معاشی دوراہے پر کھڑی ہے۔ طاقت کے مراکز بدل رہے ہیں، اتحاد نئی شکل اختیار کر رہے ہیں، اور وہ ممالک جو کبھی مغربی دنیا کے زیرِاثر سمجھے جاتے تھے، اب اپنی الگ شناخت اور مشترکہ مفادات کی بنیاد پر نئی صف بندی کرتے

دکھائی دے رہے ہیں۔ انہی بدلتے حالات میں روسی صدر ولادیمیر پوتن کا حالیہ دورۂ چین غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

دو روزہ اس دورے نے صرف ماسکو اور بیجنگ کے تعلقات کو ہی نہیں بلکہ مستقبل کی عالمی سیاست کی سمت کو بھی نمایاں کر دیا ہے۔ صدر پوتن ایسے وقت میں چین پہنچے جب یوکرین جنگ، ایران بحران، آبنائے ہرمز کی کشیدگی، امریکہ چین رقابت اور عالمی معاشی بے یقینی پوری دنیا کو متاثر کر رہی ہے۔

بیجنگ ائرپورٹ پر صدر پوتن کا استقبال صرف ایک سفارتی روایت نہیں تھا بلکہ ایک واضح سیاسی پیغام تھا۔ چینی وزیر خارجہ وانگ یی کی موجودگی، روسی اور چینی پرچموں کی نمائش، گارڈ آف آنر، اور چینی طلبہ کی جانب سے "خوش آمدید" کے نعرے اس بات کی علامت تھے کہ بیجنگ ماسکو کو محض ایک اتحادی نہیں بلکہ ایک اسٹریٹجک ستون سمجھتا ہے۔

اس دورے کی سب سے دلچسپ بات وہ "چائے ملاقات" تھی جس کا ذکر کریملن نے خصوصی طور پر کیا۔ روسی صدر اور چینی صدر شی جن پنگ کے درمیان غیر رسمی ماحول میں

ہونے والی یہ گفتگو دراصل ان حساس موضوعات پر تھی جن پر دنیا کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ یوکرین، ایران، امریکہ، مشرقِ وسطیٰ، عالمی معیشت اور نئی عالمی صف بندی سب کچھ اس ایجنڈے میں شامل تھا۔

پوتن اور شی جن پنگ نے اپنے مشترکہ بیانات میں واضح کر دیا کہ روس اور چین اب صرف اقتصادی شراکت دار نہیں بلکہ عالمی سیاسی بیانیے کے مشترکہ معمار بن چکے ہیں۔ دونوں ممالک نے "کثیر قطبی عالمی نظام" کی حمایت کرتے ہوئے مغربی بالادستی کے تصور کو چیلنج کیا۔ یہ محض سفارتی جملے نہیں بلکہ ایک ابھرتی ہوئی عالمی حقیقت ہے۔

روس اور چین نے ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کو مشرقِ وسطیٰ کے استحکام کے لیے خطرہ قرار دیا، جبکہ یوکرین بحران کی "بنیادی وجوہات" ختم کرنے پر زور دیا۔ اس موقف میں دراصل وہی سوچ جھلکتی ہے جو ماسکو اور بیجنگ کو مغربی پالیسیوں کے مقابل ایک متبادل عالمی طاقت کے طور پر سامنے لا رہی ہے۔

کریملن کے مطابق اس دورے میں تقریباً 40 اہم معاہدوں پر دستخط کیے گئے، جبکہ 200 ارب ڈالر سے زائد مالیت کے 89 مشترکہ منصوبوں پر بھی پیش رفت ہوئی۔ یہ منصوبے صرف تجارت تک محدود نہیں بلکہ توانائی، ٹیکنالوجی، زراعت، خلائی تحقیق، جوہری توانائی، لاجسٹکس اور انفراسٹرکچر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

روس کے پہلے نائب وزیر اعظم ڈینس مانتوروف کے مطابق صدر پوتن کے دورے سے ان منصوبوں کو نئی رفتار ملے گی۔ روس اور چین اب تقریباً مکمل طور پر روبل اور یوان میں تجارت کر رہے ہیں، جو عالمی مالیاتی نظام میں ڈالر کی اجارہ داری کے لیے ایک بڑا چیلنج بنتا جا رہا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس تمام پیش رفت کے دوران روسی موقف کو عالمی سطح پر پہلے کے مقابلے میں زیادہ سنجیدگی سے سنا جا رہا ہے۔ ماسکو مسلسل یہ موقف دہرا رہا ہے کہ یوکرین بحران کو صرف جنگی حکمتِ عملی یا مغربی دباؤ کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے بنیادی اسباب اور روس کے سیکیورٹی خدشات کو سمجھنا ضروری ہے۔ روسی حکام

کا کہنا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ کئی ممالک یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ یوکرین تنازع کے بارے میں مغربی بیانیہ مکمل تصویر پیش نہیں کرتا، اسی لیے عالمی سفارتکاری میں متوازن اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر کی ضرورت پر زور بڑھتا جا رہا ہے۔

ادھر امریکہ کے اندر بھی صورتحال مکمل طور پر مستحکم نہیں۔ روسی میڈیا کے مطابق صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو اپنی ہی جماعت ریپبلکن پارٹی میں مزاحمت کا سامنا ہے، خاص طور پر ایران اور خارجہ پالیسی سے متعلق معاملات پر۔ یہی وجہ ہے کہ واشنگٹن ایک ساتھ یوکرین، ایران، چین اور روس جیسے محاذوں پر دباؤ برقرار رکھنے میں مشکلات محسوس کر رہا ہے۔

اسی دوران ایران کے ساتھ ممکنہ تیل معاہدے کی خبریں بھی عالمی سیاست کا رخ بدل سکتی ہیں۔ آبنائے ہرمز کی بندش کے خدشات نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، کیونکہ عالمی تیل سپلائی کا بڑا حصہ اسی راستے سے گزرتا ہے۔ ایسے میں روس، چین، ایران اور وسطی ایشیا ایک نئے معاشی اور تزویراتی بلاک کی شکل اختیار کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔

روس کے لیے چین اب محض ایک پڑوسی نہیں بلکہ ایک ایسا عالمی ساتھی بن چکا ہے جس کے ساتھ مل کر وہ مغربی دباؤ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب چین بھی بخوبی جانتا ہے کہ امریکہ کے ساتھ بڑھتی کشیدگی کے ماحول میں ماسکو اس کے لیے ناگزیر اہمیت رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صدر پوتن نے اپنے دورے سے قبل کہا تھا کہ روس اور چین کے تعلقات "غیر معمولی سطح" پر پہنچ چکے ہیں۔ شاید یہی جملہ آج کی عالمی سیاست کی سب سے بڑی حقیقت بھی ہے۔

روس اور چین کے تعلقات اب صرف سیاسی یا اقتصادی مفادات تک محدود نہیں رہے بلکہ دونوں ممالک عالمی طاقت کے توازن میں ایک نئے باب کی بنیاد رکھتے دکھائی دے رہے ہیں۔ مغربی پابندیوں، اقتصادی دباؤ اور سیاسی تنہائی کی کوششوں کے باوجود ماسکو نے نہ صرف اپنی سفارتی سرگرمیوں کو برقرار رکھا بلکہ بیجنگ کے ساتھ تعلقات کو مزید مضبوط کر کے یہ پیغام بھی دیا کہ نئی عالمی حقیقتیں اب پرانے عالمی نظام سے مختلف ہوں گی۔

بیجنگ میں ہونے والی ملاقاتوں نے یہ واضح کر دیا کہ روس اور چین آنے والے برسوں میں عالمی سیاست، معیشت، توانائی اور سلامتی کے معاملات میں مزید قریبی تعاون جاری رکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے سفارتی حلقے اس دورے کو صرف ایک معمول کی ملاقات نہیں بلکہ عالمی طاقت کے نئے توازن کی علامت قرار دے رہے ہیں۔

دنیا اب سرد جنگ کے بعد والے یک قطبی دور سے تیزی سے نکل رہی ہے۔ نئی صف بندیاں بن رہی ہیں، نئے اتحاد سامنے آ رہے ہیں، اور ماسکو و بیجنگ اس نئی دنیا کے مرکزی کردار بنتے جا رہے ہیں۔

اور شاید آنے والے برسوں میں تاریخ یہ لکھے کہ عالمی طاقت کے توازن میں تبدیلی کی اصل بنیاد انہی ملاقاتوں، انہی بیانات اور انہی "چائے نشستوں" میں رکھی گئی تھی۔

کالم 6

9 مئی: روس کی تاریخ، قربانی اور قومی وقار کا دن

تاریخِ اشاعت: 8 مئی 2026

9 مئی روس کی تاریخ کا صرف ایک قومی دن نہیں بلکہ یہ جذبۂ قربانی، قومی استقامت اور فاشزم کے خلاف عظیم انسانی جدوجہد کی علامت ہے۔ روس میں اس دن کو "یومِ فتح" کے

طور پر منایا جاتا ہے، جب 1945 میں سوویت یونین نے نازی جرمنی کو شکست دے کر دوسری جنگِ عظیم کے یورپی محاذ کا خاتمہ کیا تھا۔

ماسکو کی فضا میں ہر سال 9 مئی کو ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ ریڈ اسکوائر پر فوجی پریڈ، جنگی نغمے، سابق فوجیوں کے سینوں پر سجے تمغے، اور لاکھوں لوگوں کے ہاتھوں میں اپنے شہداء کی تصاویر۔ یہ سب اس بات کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ روسی قوم اپنی تاریخ اور قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی۔

روس میں دوسری جنگِ عظیم کو "گریٹ پیٹریاٹک وار" یعنی عظیم محبِ وطن جنگ کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں سوویت یونین نے تقریباً 2 کروڑ 70 لاکھ جانوں کی قربانی دی۔ یہ تعداد صرف ایک اعداد و شمار نہیں بلکہ لاکھوں خاندانوں کے اجڑے گھر، یتیم بچے، تباہ شہر اور قربانیوں کی داستانیں ہیں۔

اس جنگ کا سب سے خونریز باب اسٹالن گراڈ کی جنگ تھی، جسے آج کا روسی شہر وولگو گراد کہا جاتا ہے۔ وہاں لاکھوں افراد نے جانیں قربان کیں، مگر نازی افواج کو آگے بڑھنے نہ

دیا۔ آج بھی اس شہر کی فضاؤں میں تاریخ کی گونج سنائی دیتی ہے۔ "مدر لینڈ کالز" کا عظیم مجسمہ، اجتماعی قبریں، ابدی شعلہ، اور مارشل چوئیکوف و مشہور سنائپر واسیلی زائیتسیف کی قبریں اس جنگ کی خاموش مگر طاقتور گواہی دیتی ہیں۔

روس کے صدر ولادیمیر پوتن ہر سال ریڈ اسکوائر میں ہونے والی مرکزی تقریب سے خطاب کرتے ہیں، جسے نہ صرف روس بلکہ پوری دنیا میں توجہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے خطابات میں جنگِ عظیم دوم کے شہداء کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ عالمی صورتحال، قومی سلامتی، حب الوطنی اور روسی خودمختاری کا ذکر نمایاں ہوتا ہے۔

صدر پوتن بارہا یہ کہتے آئے ہیں کہ روس اپنے آبا و اجداد کی قربانیوں کو فراموش نہیں کرے گا اور نہ ہی دنیا کو تاریخ مسخ کرنے کی اجازت دے گا۔ ان کے مطابق دوسری جنگِ عظیم میں سوویت عوام کی قربانی انسانی تاریخ کی سب سے بڑی قربانیوں میں شمار ہوتی ہے، جسے کمزور کرنے یا نظر انداز کرنے کی کوششیں ناقابلِ قبول ہیں۔

ہر سال ان کے خطاب میں یہ پیغام بھی نمایاں ہوتا ہے کہ روس اپنے قومی مفادات، خودمختاری اور سلامتی کے دفاع کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یومِ فتح روسی قوم کے لیے صرف ایک تاریخی تقریب نہیں بلکہ قومی طاقت، اتحاد اور عسکری وقار کی علامت بن چکا ہے۔

اس سال یومِ فتح کی تقریبات ایک ایسے وقت میں ہو رہی ہیں جب روس اور مغربی ممالک کے درمیان تعلقات شدید کشیدگی کا شکار ہیں۔ یوکرین تنازع، پابندیاں، نیٹو کی سرگرمیاں اور عالمی سیاسی تقسیم نے اس دن کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا ہے۔

ریڈ اسکوائر کی پریڈ میں اس بار فوجی دستوں کا مارچ پاسٹ اور فضائی مظاہرے تو ہوں گے، مگر بھاری عسکری ساز و سامان کی نمائش محدود رکھی گئی ہے۔ اس کے باوجود روسی عوام کے جذبات میں کوئی کمی نہیں۔ لوگ اپنے بزرگوں کی تصاویر اٹھائے

"Immortal Regiment" مارچ میں شریک ہوتے ہیں، گویا وہ اپنے شہداء کو آج بھی اپنے ساتھ زندہ محسوس کرتے ہیں۔

روس میں 9 مئی صرف سرکاری سطح کی تقریب نہیں بلکہ ایک عوامی جذبہ ہے۔ گھروں، سڑکوں، سرکاری عمارتوں اور گاڑیوں پر فتح کی علامتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ بزرگ فوجیوں کو خصوصی عزت دی جاتی ہے، بچے جنگی گیت گاتے ہیں، جبکہ پورا ملک اپنے شہداء کو یاد کرتا ہے۔

روس میں مقیم پاکستانی کمیونٹی بھی یومِ فتح کی اہمیت کو بخوبی سمجھتی ہے۔ پاکستانی عوام خود بھی قربانی، آزادی اور دفاعِ وطن کی تاریخ رکھتے ہیں، اسی لیے روس کے اس قومی دن کے جذبات کو قریب سے محسوس کرتے ہیں۔

9 مئی ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ جنگیں صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ قوموں کے حوصلے، اتحاد اور قربانی سے جیتی جاتی ہیں۔ روس آج بھی اسی تاریخی بیانیے کو اپنی قومی طاقت کا محور سمجھتا ہے۔

ماسکو کی سڑکوں پر لہراتے سرخ جھنڈے، جنگی ترانے، آتش بازی اور بزرگ فوجیوں کی آنکھوں میں چمکتے آنسو یہ پیغام دیتے ہیں کہ قومیں اپنی تاریخ سے طاقت حاصل کرتی ہیں۔ اور روس کے لیے 9 مئی اسی طاقت، وقار اور قربانی کی علامت ہے۔

کالم 7

ولادیمیر پوتن: عالمی سیاست کا فیصلہ کن کردار

تاریخِ اشاعت: 6 اپریل 2026

روس کے صدر ولادیمیر پوتن آج کی عالمی سیاست میں ایک ایسے رہنما کے طور پر سامنے آتے ہیں جن کے فیصلے نہ صرف قومی سطح پر بلکہ بین الاقوامی نظام پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان کی قیادت میں روس نے خود کو دوبارہ ایک ایسی ریاست کے طور پر

منوایا ہے جو عالمی طاقتوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کے دور قیادت میں روس نے ایک طویل اور پیچیدہ سفر طے کیا ہے، جس میں کمزوری سے طاقت تک کا ارتقا نمایاں نظر آتا ہے۔ سوویت یونین کے بعد کے روس کو جب انہوں نے سن 2000 کے بعد سنبھالا تو ریاستی ڈھانچہ کمزور، معیشت غیر مستحکم اور عالمی سطح پر اثر و رسوخ محدود تھا۔ ایسے میں ان کی اولین ترجیح ریاستی اداروں کی مضبوطی، سیاسی استحکام اور معیشت کی بحالی رہی۔

ابتدائی برسوں میں روس نے اپنی معیشت کو تیل اور گیس جیسے بنیادی وسائل پر ازسرنو منظم کیا۔ توانائی کے شعبے کو نہ صرف ریاستی آمدن کا بڑا ذریعہ بنایا گیا بلکہ اسی کے ذریعے روس نے عالمی منڈیوں میں اپنی اہمیت بھی بڑھائی۔ اس پالیسی کے نتیجے میں ریاستی خزانہ مستحکم ہوا اور ایک ایسا معاشی ڈھانچہ تشکیل پایا جس نے روس کو طویل عرصے تک سہارا دیا۔ اسی دوران مرکزی حکومت کی گرفت مضبوط کی گئی اور علاقائی سطح پر بکھری ہوئی

طاقت کو ایک مربوط وفاقی نظام میں تبدیل کیا گیا، جس سے داخلی استحکام میں واضح بہتری آئی۔

دفاعی میدان میں بھی نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ روسی افواج کو جدید خطوط پر استوار کیا گیا، ہتھیاروں کے نظام میں جدت لائی گئی اور عسکری صلاحیت کو بہتر بنانے پر مسلسل توجہ دی گئی۔ اس کے نتیجے میں روس دوبارہ ایک بڑی عسکری طاقت کے طور پر عالمی نقشے پر ابھرا۔

خارجہ پالیسی کے میدان میں صدر پوتن نے ایک واضح اور خودمختار نقطۂ نظر اختیار کیا جس میں کثیر قطبی دنیا کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سوچ کے مطابق عالمی طاقت کا توازن صرف ایک مرکز کے گرد نہیں بلکہ مختلف علاقائی اور عالمی طاقتوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے۔ اسی حکمت عملی کے تحت روس نے چین، مشرق وسطیٰ اور دیگر خطوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو وسعت دی اور مغربی اثر و رسوخ کے مقابلے میں ایک متبادل سفارتی محور تشکیل دینے کی کوشش کی۔

یوکرین تنازع کے حوالے سے روس کا موقف یہ ہے کہ نیٹو کی مشرقی توسیع اس کی قومی سلامتی کے لیے براہ راست خطرہ بن رہی تھی۔ روسی موقف کے مطابق یہ صورتحال ایک خصوصی فوجی کارروائی کی صورت اختیار کرنے پر مجبور ہوئی، جس کا مقصد سرحدی تحفظ اور خطے میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ اس معاملے پر عالمی رائے منقسم ہے، تاہم روس اپنے اقدام کو دفاعی اور اسٹریٹجک ضرورت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

مشرق وسطیٰ کی صورتحال، خصوصاً ایران اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی میں روس نے زیادہ تر سفارتی حل اور مذاکرات کی حمایت کی ہے۔ ماسکو کا موقف رہا ہے کہ خطے میں بڑھتی ہوئی جنگ نہ صرف علاقائی بلکہ عالمی استحکام کے لیے بھی خطرناک ہے۔ اسی لیے روس نے مختلف سطحوں پر رابطوں اور مشاورت کے ذریعے کشیدگی کم کرنے کی کوشش کی ہے اور خود کو ایک ممکنہ ثالث کے طور پر پیش کیا ہے۔

فلسطین کے معاملے پر بھی روس کا موقف ایک اہم اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ولادیمیر پوتن اور روسی قیادت مسلسل دو ریاستی حل کی حمایت کرتے آئے ہیں، جس کے

تحت ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔ روسی بیانیے کے مطابق یہی حل اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ہے اور خطے میں دیرپا امن کی بنیاد بن سکتا ہے۔ ماسکو نے بارہا شہری آبادی کے تحفظ، فوری جنگ بندی اور انسانی امداد کی ضرورت پر زور دیا ہے، جبکہ خود کو ایک ممکنہ ثالث کے طور پر بھی پیش کیا ہے تاکہ مذاکرات کے ذریعے اس دیرینہ تنازع کا قابلِ قبول حل نکالا جا سکے۔

اہم بات یہ بھی ہے کہ صدر ولادیمیر پوتن ہر سال 9 مئی کو وکٹری ڈے کے موقع پر ایک خصوصی خطاب کرتے ہیں، جو روسی تاریخ، قومی یکجہتی اور عالمی سیاست کے حوالے سے نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔ یہ دن دوسری جنگ عظیم میں فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے اور اس موقع پر کریملن سے دیا جانے والا خطاب نہ صرف روسی قوم بلکہ عالمی مبصرین کی بھی توجہ حاصل کرتا ہے۔ اس سال بھی 9 مئی کو صدر پوتن کے ایک اہم خطاب کی توقع کی جا رہی ہے، جس میں ممکنہ طور پر یوکرین تنازع، عالمی کشیدگی اور روس کی آئندہ حکمت عملی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو صدر ولادیمیر پوتن کے دور میں روس نے اندرونی استحکام، معاشی بحالی اور عالمی سطح پر دوبارہ موثر کردار حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ توانائی کی پالیسی، ریاستی اداروں کی مضبوطی اور خارجہ محاذ پر فعال حکمت عملی نے روس کو ایک بار پھر عالمی طاقتوں کے درمیان اہم مقام دلایا ہے۔ آج روس نہ صرف اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے سرگرم ہے بلکہ عالمی سیاست میں توازن پیدا کرنے والی قوت کے طور پر بھی خود کو پیش کرتا ہے۔

کالم 8

وزیراعظم کا دورہ ماسکو: پاک روس تعلقات کی نئی جہت

تاریخِ اشاعت: 23 فروری 2026

2 سے 5 مارچ تک وزیرِاعظم پاکستان میاں محمد شہباز شریف کا روس کا سرکاری دورہ محض ایک سفارتی مصروفیت نہیں بلکہ بدلتے عالمی منظرنامے میں پاکستان کی عملی حکمتِ عملی کا اظہار ہے۔ یوکرین میں جاری فوجی آپریشن کے بعد عالمی سیاست میں جو تبدیلیاں آئی ہیں،

انہوں نے توانائی، تجارت اور سفارتی توازن کے نئے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ ایسے ماحول میں اسلام آباد اور ماسکو کے درمیان بڑھتا رابطہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

ماسکو میں کریملن کی راہداریوں تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا اور روسی صدر ولادیمیر پوتن سے ملاقات رسمی تبادلۂ خیال سے کہیں بڑھ کر ہو گی۔ اس کے پس منظر میں دوطرفہ مفادات، توانائی ضروریات، مالیاتی انتظامات اور علاقائی استحکام جیسے عملی معاملات شامل ہیں۔ پاکستان کو سستی توانائی اور مستحکم سپلائی لائن درکار ہے، جبکہ روس نئی منڈیوں اور شراکت داروں کی تلاش میں ہے۔

پاک، روس تعلقات کی تاریخ محض سفارتی بیانات تک محدود نہیں رہی۔ 1970 کی دہائی میں سوویت تعاون سے قائم ہونے والی پاکستان سٹیل ملز دونوں ممالک کے صنعتی اشتراک کی نمایاں علامت تھی۔ یہی منصوبہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اسلام آباد اور ماسکو کے تعلقات عملی بنیادوں پر بھی استوار ہو سکتے ہیں۔

سفارتی حلقوں میں یہ امکان بھی زیرِ گردش ہے کہ پاکستان اسٹیل ملز کے حوالے سے کسی مفاہمتی یادداشت یا تعاون کے نئے فریم ورک پر پیش رفت ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ نہ صرف ایک تاریخی باب کی تجدید ہو گا بلکہ صنعتی بحالی اور دوطرفہ اقتصادی شراکت داری کے نئے دور کا آغاز بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ تاہم اصل اہمیت اس بات کی ہوگی کہ ممکنہ معاہدہ کاغذی اعلانات سے آگے بڑھ کر عملی اقدامات میں ڈھل سکے۔

اسی تناظر میں پاک، روس گیس پائپ لائن منصوبہ بھی قابلِ ذکر ہے، جو توانائی شعبے میں دیرینہ تعاون کی ایک اور مثال بن سکتا ہے۔ اگر ان دونوں منصوبوں میں ٹھوس پیش رفت ہوتی ہے تو موجودہ دورہ محض سفارتی سرگرمی نہیں بلکہ عملی اقتصادی شراکت داری کی بنیاد بن سکتا ہے۔

اس دورے کی سفارتی تیاریوں میں ماسکو میں پاکستان کے سفیر فیصل نیاز ترمذی کا کردار بھی نمایاں ہے۔ اعلیٰ سطحی ملاقاتوں کے شیڈول، کاروباری نمائندوں کی شمولیت اور دوطرفہ

ایجنڈے کی ترتیب میں سفارتخانے کی متحرک سفارت کاری اس دورے کو عملی نتائج سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کا حصہ ہے۔

دورے کا ایک اہم پہلو پاکستان، روس بزنس فورم بھی ہے، جس میں پاکستان سے 90 کمپنیاں شرکت کر رہی ہیں، جو سرکاری مذاکرات کے ساتھ ساتھ نجی شعبے کو براہِ راست جوڑنے کا پلیٹ فارم فراہم کرے گا۔ اس فورم میں توانائی، زراعت، فارماسیوٹیکل، آئی ٹی اور ٹیکسٹائل کے شعبوں میں تعاون کے امکانات پر گفتگو متوقع ہے۔ اگر کاروباری برادری کو قابلِ عمل فریم ورک فراہم کیا گیا تو یہ فورم محض تصویری سرگرمی نہیں بلکہ دوطرفہ تجارت میں حقیقی اضافے کی بنیاد بن سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور روس کے درمیان دوطرفہ تجارت اب بھی اپنی اصل صلاحیت سے کم ہے۔ بزنس فورم اسی خلا کو پُر کرنے کی ایک کوشش ہے تاکہ حکومتی سطح کے معاہدے نجی سرمایہ کاری اور عملی منصوبوں میں تبدیل ہو سکیں۔

ایک اہم مگر کم زیرِ بحث پہلو پاکستان اور روس کے درمیان ری ایڈمیشن معاہدہ بھی ہے، جو تاحال حتمی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ اس معاہدے کی تکمیل قانونی اور امیگریشن تعاون کے حوالے سے اہم پیش رفت ثابت ہو سکتی ہے اور دونوں ممالک کے درمیان اعتماد سازی کو مضبوط بنا سکتی ہے۔

اسی طرح ویزا پالیسی ایک بڑا عملی مسئلہ ہے۔ روس میں پاکستانی کاروباری افراد کے لیے بزنس ویزا کے اجرا میں درپیش رکاوٹیں اور طلبہ ویزا کی سختی تجارت اور تعلیمی روابط کی رفتار کو متاثر کر رہی ہیں۔ اگر بزنس فورم کے اہداف کو عملی جامہ پہنانا ہے تو ویزا سہولت کاری کو ترجیح دینا ہو گی۔ سفارتی بیانات اپنی جگہ، مگر کاروبار اور تعلیم کے دروازے آسان کیے بغیر شراکت داری مکمل نہیں ہو سکتی۔

پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی اب یک رخی نہیں رہی۔ بیجنگ، واشنگٹن اور ماسکو، تینوں کے ساتھ تعلقات کو متوازن انداز میں آگے بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ امریکہ کے ساتھ تعلقات کو "پیچیدہ" کہنے کے بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ دونوں ممالک کے

درمیان تعلقات ایک کثیر الجہتی اور حساس نوعیت کے حامل ہیں۔ ایسے میں روس کے ساتھ پیش رفت پاکستان کے لیے سفارتی توازن کی حکمتِ عملی کا حصہ ہے، نہ کہ کسی ایک بلاک کا انتخاب۔

ماسکو میں مقیم پاکستانی طلبہ سے وزیرِ اعظم کی ملاقات اور افطار بھی نرم سفارت کاری کا پہلو رکھتی ہے۔ روسی جامعات میں زیرِ تعلیم پاکستانی نوجوان مستقبل کے سفارتی اور تجارتی پل ثابت ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ پالیسی سطح پر سہولت کاری کو یقینی بنایا جائے۔

یہ دورہ امکانات سے بھرپور ضرور ہے، مگر اصل امتحان معاہدوں کو عملی شکل دینے کا ہو گا۔ توانائی، تجارت، بزنس فورم، ری ایڈمیشن معاہدہ اور ویزا پالیسی، یہی وہ نکات ہیں جو پاک، روس تعلقات کی حقیقی سمت کا تعین کریں گے۔

ماسکو کی سرد فضاؤں میں ہونے والی یہ ملاقاتیں مستقبل کی سمت کا تعین کر سکتی ہیں۔ اگر توانائی، صنعت اور تجارت کے شعبوں میں عملی پیش رفت ہوئی تو یہ دورہ تاریخ ساز ثابت ہو سکتا ہے اور پاک، روس تعلقات کو ایک نئی جہت دے سکتا ہے۔

کالم 9

پاک افغان کشیدگی اور روس کی ممکنہ ثالثی

تاریخِ اشاعت: 16 نومبر 2025

روس کے دارالحکومت ماسکو میں اس ہفتے ہونے والی پریس بریفنگ میں ایک اہم پیش رفت اُس وقت دیکھنے میں آئی جب ترجمان وزارت خارجہ ماریا زخاروا نے میرے سوالات کے جواب میں پاکستان اور افغانستان کے درمیان جاری کشیدگی پر ماسکو کا موقف کھل کر

بیان کیا۔ خطے کی بدلتی ہوئی صورتحال، افغانستان میں طاقت کے توازن اور پاکستان کے ساتھ روس کے بڑھتے تعلقات کے تناظر میں یہ جواب کئی نئی سمتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

میرا سوال روس کے اس ممکنہ کردار سے متعلق تھا جو وہ پاک افغان کشیدگی کم کرنے کے لیے ادا کر سکتا ہے۔ اس پر ماریا زخارووا نے واضح کیا کہ روس خطے میں امن کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہے، بشرطیکہ دونوں ممالک اس کی خواہش رکھیں۔ یہ بیان محض سفارتی پروٹوکول نہیں بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ماسکو خطے میں استحکام کے بغیر اپنی طویل المدتی حکمتِ عملی پر عمل نہیں کر سکتا۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ روس کے افغانستان کے ساتھ تاریخی، تزویراتی اور زمینی روابط اب بھی موجود ہیں، اور پاکستان کے ساتھ اس کا تعاون پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہو چکا ہے۔ ایسے میں روس ایک ایسا ملک ہے جو دونوں دارالحکومتوں کے ساتھ براہِ راست اور موثر گفتگو کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ماسکو کی نظر میں کسی نئے تنازع کی گنجائش نہیں، خصوصاً

اُس صورتحال میں جب عالمی طاقتیں پہلے ہی خطے کو اپنے وسیع تر مفادات کے مطابق تشکیل دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ روسی وزارت خارجہ کی ترجمان ماریا زخاروا نے پاکستان کی اُس تشویش کو بھی سمجھا جو سرحد پار سے دہشت گردی اور عسکری کارروائیوں سے متعلق ہے۔ روس کا نقطۂ نظر واضح ہے کہ افغانستان کا عدم استحکام پورے خطے کو متاثر کرتا ہے، اور پاکستان اس کا سب سے پہلا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے افغانستان پر روس کا یہ دباؤ بھی برقرار ہے کہ وہ اپنی سرزمین کو کسی ملک کے خلاف استعمال نہ ہونے دے۔

میرے سوالات کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ماسکو میں بیٹھ کر اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ کیا روس واقعی عملی سطح پر ثالثی کے لیے تیار ہے؟ جواب میں جو سفارتی لچک اور "دروازہ کھلا رکھنے" کا عندیہ ملا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر اسلام آباد اور کابل دونوں درخواست کریں تو روس اس عمل میں قدم رکھنے کے لیے تیار ہو گا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ روس کے لیے یہ ایک موقع بھی ہے کہ وہ خطے میں اپنی ساکھ کو مزید مضبوط کرے۔ یوکرین تنازع کے بعد جہاں روس نے مغرب کو غیر دوست قرار دیا ہے، وہیں ایشیا میں اس کی سفارتی متحرکیت بڑھ رہی ہے۔ ایسے میں پاکستان اور افغانستان جیسے ہمسایہ ممالک کے درمیان ثالثی روس کے لیے ایک بڑی کامیابی بن سکتی ہے۔

اسی دوران میں نے پاکستان روس ریڈمیشن معاہدے کے بارے میں بھی سوال کیا۔ یاد دہانی کرائی گئی کہ پاکستانی شہریوں کے ویزا عمل میں آسانی اس معاہدے کی تکمیل سے مشروط ہے۔ ترجمان نے بتایا کہ مسودہ زیرِ غور ہے اور بات چیت جاری ہے۔ ویزا سہولیات میں بہتری صرف معاہدے کی حتمی منظوری کے بعد ممکن ہو گی۔ میں نے اس سے پہلے یہ سوال روسی وزارت خارجہ کی پریس بریفنگ میں 18 دسمبر 2024 میں کیا تھا جس پر ماریا زخاررو ا کا جواب تھا کہ پاکستان کو روس کے ساتھ معاہدے پر دستخط کی ضرورت ہے لیکن امید ہے کہ پاکستان کی جانب سے اب مزید تاخیر نہیں کی جائے گی اور روس کے اس ساتھ معاہدے کو

جلد پایا تکمیل تک پہنچایا جائے گا تاکہ پاکستانیوں کے ویزہ حاصل کرنے اور روس میں داخلے جیسے مسائل کا خاتمہ ہو۔

آخر میں، یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا پاکستان اور افغانستان روس کی ثالثی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟ پاکستان شاید سفارتی سطح پر اس کردار کو خوش آئند سمجھتا ہے، مگر کابل کی حکومت کا ردعمل دیکھنا بھی ضروری ہو گا۔

ماسکو کی فضا میں سردی بڑھ رہی ہے، مگر خطے کی سیاست کا درجہ حرارت تیز ہو چکا ہے۔ لگتا یہی ہے کہ آنے والے ہفتوں میں روس، پاکستان اور افغانستان تینوں کے درمیان سفارتی رابطے بڑھیں گے اور شاید وہ لمحہ قریب ہے جب ماسکو ایک مرتبہ پھر جنوبی ایشیا کی سیاست کے مرکز میں ہو گا۔

کالم 10

صحافی، سچ کی روشنی کے امین

تاریخِ اشاعت: 2 نومبر 2025

دنیا بھر میں آج "صحافیوں کا عالمی دن" منایا جا رہا ہے۔ وہ دن جو ان تمام لوگوں کے نام ہے جو اپنی جان اور قلم کو سچ کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ صحافت

صرف ایک پیشہ نہیں بلکہ ایک مسلسل جدوجہد ہے، ایک ذمہ داری ہے جو وقت کے ہر دباؤ، ہر خطرے اور ہر خوف سے بالاتر ہے۔

میں ماسکو کی سرد فضا میں بیٹھ کر جب اس دن کے مفہوم پر غور کرتا ہوں، تو یاد آتا ہے کہ خبر لکھنا کبھی آسان نہیں ہوتا۔ ایک لفظ، ایک جملہ یا ایک موقف بعض اوقات پوری فضا بدل دیتا ہے۔ میں نے روس میں رہتے ہوئے کئی بار محسوس کیا ہے کہ قلم اگر دیانت سے چلایا جائے، تو وہ سفارت کاری سے بھی زیادہ موثر ہتھیار بن سکتا ہے۔

روس میں صحافت نظم و ضبط، تحقیق اور ذمہ داری کا ایک مضبوط نمونہ پیش کرتی ہے۔ یہاں وزارتِ خارجہ کی ترجمان ماریا زخارووا کی ہفتہ وار پریس بریفنگ ایک ایسی کلاس کی صورت اختیار کر لیتی ہے جہاں الفاظ میں نرمی بھی ہوتی ہے اور دلیل میں سختی بھی۔ میں خود متعدد مرتبہ ان بریفنگز میں شریک ہوا، سوالات کیے، اور دنیا بھر کے صحافیوں کے ساتھ روسی خارجہ پالیسی کے پہلوؤں پر براہِ راست بات کی۔ وہ لمحے ایک صحافی کے لیے قیمتی

تربیت سے کم نہیں تھے، جہاں نہ صرف عالمی سیاست کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا بلکہ یہ بھی سیکھنے کو ملا کہ سوال کس طرح ایسا کیا جائے جو بامقصد بھی ہو اور با ادب بھی۔

ماسکو میں کام کرتے ہوئے مجھے اس بات کا احساس شدت سے ہوا کہ پاکستانی صحافیوں کی ساکھ دنیا بھر میں احترام کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ چاہے کریملن کی سالانہ پریس کانفرنس ہو، یا روسی وزارتِ خارجہ کی پریس بریفنگ، پاکستانی میڈیا نمائندے اپنی ذمہ داری، توازن اور پیشہ ورانہ سنجیدگی کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں۔

پاکستان میں صحافت ہمیشہ ایک کٹھن راستہ رہی ہے۔ مالی بحران، سیاسی دباؤ، سچ بولنے کی قیمت، یہ سب حقیقتیں ہمارے سماج کا حصہ ہیں۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستانی صحافی آج بھی میدان میں ہیں، اپنے مائیک، قلم اور کیمرے کے ساتھ۔ چاہے وہ لال حویلی کے باہر کھڑا رپورٹر ہو یا ماسکو کے ریڈ سکوائر سے رپورٹنگ کرنے والا نمائندہ۔ سب کی منزل ایک ہی ہے: سچ کو دنیا کے سامنے لانا۔

روس میں جب میں مختلف عالمی فورمز پر رپورٹنگ کرتا ہوں، تو یہ بات واضح محسوس ہوتی ہے کہ دنیا میں معلومات کی جنگ شدت اختیار کر چکی ہے۔ اب جنگ بندوقوں سے کم، اور خبروں سے زیادہ لڑی جا رہی ہے۔ ایسے میں ایک صحافی کا فرض پہلے سے کہیں زیادہ بھاری ہو گیا ہے، کیونکہ ایک غلط خبر اب سرحدوں کو لمحوں میں عبور کر کے عالمی سطح پر اثر ڈال سکتی ہے۔

میری رپورٹنگ کا تجربہ بتاتا ہے کہ روس میں صحافت کو ریاستی نظم کے اندر رہ کر کام کرنا پڑتا ہے، مگر اس کے باوجود یہاں معلومات تک رسائی کا عمل شفاف ہے۔ میڈیا سینٹرز جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں، پریس کانفرنسز منظم انداز میں ہوتی ہیں، اور غیر ملکی نمائندوں کے لیے احترام کا ماحول ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہیں جن سے پاکستان بھی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

"صحافیوں کا عالمی دن" صرف ایک دن نہیں۔ بلکہ یہ ضمیر کو جھنجھوڑنے کی یاد دہانی ہے۔
یہ دن اُن شہید صحافیوں کے نام ہے جنہوں نے سچ کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ اُن

رپورٹرز کے لیے ہے جو بارود کی خوشبو میں خبر تلاش کرتے ہیں، اور اُن لکھاریوں کے لیے ہے جو قید و بند کے باوجود سچ کو چھپنے نہیں دیتے۔

بطور پاکستانی اور بطور روس میں نمائندہ، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا اصل کام صرف خبر دینا نہیں بلکہ قوموں کے درمیان سمجھ بوجھ اور مکالمے کا پل بننا ہے۔ ہمیں وہ آواز بننا ہے جو غلط فہمیوں کو ختم کرے، اور وہ روشنی جو اندھیروں میں بھی سچ کی پہچان بنے۔

اس دن میں اپنے تمام ساتھی صحافیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ چاہے وہ ماسکو میں ہوں یا لاہور کی کسی نیوز ڈیسک پر، سب ایک ہی مشن کے سپاہی ہیں۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم سچائی کو زندہ رکھیں، جھوٹ کے شور میں دیانت کا چراغ جلائے رکھیں، اور اپنی قوم کے تشخص کو عالمی سطح پر مثبت انداز میں اجاگر کریں۔

کالم 11

27 اکتوبر: وہ دن جب خوابوں پر پہرہ بٹھایا گیا

تاریخِ اشاعت: 26 اکتوبر 2025

27 اکتوبر کا دن کشمیر کی تاریخ میں ایک تلخ موڑ کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ بھارت نے جب وادی کی آئینی حیثیت کو ختم کرنے کا اعلان کیا، تو یہ محض قانونی فیصلہ نہیں تھا، بلکہ لاکھوں کشمیریوں کی امیدوں، خوابوں اور آزادی کی جستجو پر پہرہ بٹھانے کے مترادف تھا۔

اس دن سے وادی میں سیاسی خودمختاری محدود ہوئی، شہری آزادیوں پر قدغنیں لگیں، اور عوام کے بنیادی حقوق کی پامالی نے ایک نیا المیہ جنم دیا۔

یہ فیصلہ صرف آئینی نہیں تھا، بلکہ کشمیری عوام کی زندگی کے ہر پہلو میں اثر ڈالنے والا ایک تاریخی دھچکا تھا۔ تعلیم، روزگار، نقل و حمل، مذہبی رسومات، اور سیاسی اظہار، سب کچھ محدود اور قابو میں آگیا۔ ایک مکمل معاشرتی دباؤ قائم ہوا جس نے نسلوں کو خوفزدہ کیا۔

کشمیر میں موجودہ حالات اب بھی سخت ہیں۔ عوام کی آواز دبی ہوئی ہے، سیاسی قیادت کی سرگرمیاں محدود ہیں، اور انسانی حقوق کے عالمی اصول نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔ نوجوان، خواتین، اور معصوم بچے سب اس تبدیلی کے اثرات سے گزرتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں سڑکوں پر فوجی چوکیوں، ہڑتالوں، اور کرفیو کا جبر عام ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں قید ہیں، تعلیم کے مواقع کم ہیں، اور ہر لمحہ خوف کی کیفیت برقرار ہے۔

یہ ایک ایسی آزمائش ہے جو صرف جسمانی نہیں، بلکہ روحانی اور معاشرتی بھی ہے۔ کشمیری عوام کی صبر و تحمل کی داستان آج بھی دنیا کے سامنے ایک انسانی المیہ کے طور پر موجود ہے۔

اسی صورتحال کے پیش نظر، کشمیر الائنس فورم ماسکو نے عالمی سطح پر کشمیر کی آواز بلند کرنے کے لیے اب تک تقریباً دس آن لائن کانفرنسز منعقد کی ہیں۔

ان کانفرنسز کی میزبانی راقم الحروف نے خود کی، تاکہ دنیا کے مختلف حصوں میں موجود لوگوں کو کشمیر کے حقیقی حالات سے آگاہ کیا جا سکے۔

ان فورمز میں انسانی حقوق کے ماہرین، کشمیری رہنما، پاکستانی صحافی اور بین الاقوامی حاضرین نے شرکت کی۔ ہم نے وادی میں جاری مظالم، عوام کی مشکلات، اور آئینی حیثیت کے خاتمے کے اثرات کو اجاگر کیا۔

کانفرنسز کے دوران کئی کشمیری رہنماؤں نے وہاں کے حالات بتائے انہوں نے بتایا کہ کس طرح زندگی کے ہر معمولی لمحے میں خوف چھایا ہوا ہے، اور کس طرح امید کی کرن کو ہر روز ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کہانیوں نے حاضرین کو ہلا کر رکھ دیا اور ثابت کیا کہ کشمیر صرف ایک جغرافیائی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی ہمدردی اور انصاف کا عالمی امتحان بھی ہے۔

27 اکتوبر کے بعد ، دنیا نے خاموشی اختیار کی۔ اقوام متحدہ، انسانی حقوق کے ادارے، اور بین الاقوامی تنظیمیں اس مسئلے پر نظر رکھ رہی ہیں، مگر کشمیری عوام کی آواز کو اب بھی وہ پذیرائی نہیں ملی جس کی وہ مستحق ہیں۔

یہ خاموشی عالمی ضمیروں کے لیے ایک امتحان ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں کھڑے ہوں یا محض نظریاتی چپ کے پابند رہیں۔

یہ عالمی خاموشی کشمیری عوام کے صبر اور جدوجہد کی قدر کم نہیں کر سکتی، مگر یہ ضرور دکھاتی ہے کہ دنیا میں انصاف کی عملی حمایت اور حقیقی توجہ کی کتنی کمی ہے۔

کشمیر الائنس فورم ماسکو کی کانفرنسز نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جدوجہد جاری ہے، اور آوازیں دبی نہیں رہ سکتیں۔

یہ کانفرنسز محض معلوماتی اجلاس نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں، جس نے عالمی سطح پر کشمیری عوام کی مشکلات کو اجاگر کیا اور انسانیت کی روشنی میں دنیا کو جگایا۔

ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر کے حق میں ہر فرد، ہر ادارہ، اور ہر حکومت اپنا کردار ادا کرے۔ صرف اسی طرح وادی میں امن، آزادی اور انصاف کی کرنیں دوبارہ چمک سکتی ہیں۔

کشمیری عوام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ امید کبھی مردہ نہیں ہوتی۔ ہر دن کی چھپی ہوئی قربانی، ہر چھوٹی مگر پُراثر احتجاجی کارروائی، ہر گھر میں صبر اور ہر دل میں موجود وفاداری، یہ سب مستقبل کی آزادی کی بنیاد ہیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کشمیر صرف جغرافیہ نہیں، بلکہ انسانیت، امید اور عدل کا امتحان ہے۔ 27 اکتوبر ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ آزادی محض لفظ نہیں، بلکہ انسانی حقوق، امن اور وقار کی ضمانت ہے۔

کشمیر کی وادی میں موجود مظالم اور شہریوں کی جدوجہد ہمیں بتاتی ہے کہ آواز اٹھانا، آگاہی پیدا کرنا، اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینا اب سب کی ذمہ داری ہے۔

جب میں نے کشمیر الائنس فورم ماسکو کی جانب سے دس کے قریب آن لائن کانفرنسز کی میزبانی کی، تو ہر اجلاس میں ایک ہی چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، کشمیری عوام کی بے مثال صبر و تحمل اور امید کی روشنی۔

ہر بات، ہر تجربہ، ہر آنکھ کی نمی، اور ہر جذبۂ خدمت نے مجھے یہ باور کرایا کہ کشمیر صرف ایک جغرافیائی تنازعہ نہیں، بلکہ ایک زندہ انسانیت کا آئینہ ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ میری محض میزبانی کی ذمہ داری نہیں، بلکہ یہ ایک ذمہ داریِ ضمیر ہے کہ دنیا کو حقیقت سے آگاہ کیا جائے، مظلوم کی آواز کو بلند کیا جائے، اور انسانی ہمدردی کو جگایا جائے۔

یہ تجربہ مجھے یہ سبق دیتا ہے کہ آواز اٹھانا، معلومات پہنچانا، اور انصاف کے حق میں روشنی پھیلانا بھی ایک خدمت ہے، اور اس خدمت میں ہر فرد ایک چراغ بن سکتا ہے جو ظلم کے اندھیروں کو روشن کر دے۔

میری خواہش ہے کہ یہ آواز صرف ماسکو یا پاکستان تک محدود نہ رہے، بلکہ پوری دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جھنجھوڑے، تاکہ کشمیر کی مسکراہٹ دوبارہ واپس لوٹ آئے۔

یہ میرا ذاتی وعدہ اور مشاہدہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں جہاں بھی رہوں، اس آواز کو اجاگر کرنے کی کوشش جاری رکھوں گا، کیونکہ کشمیر کی جدوجہد صرف ایک قوم کی نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی علامت ہے۔

کالم 12

فیصل نیاز ترمذی: ماسکو میں پاکستانی سفیر اور پاک روس تعلقات کی نئی راہیں

تاریخِ اشاعت: 24 اکتوبر 2025

ماسکو میں پاکستانی سفیر فیصل نیاز ترمذی کی تعیناتی ایک نیا باب ہے، جو نہ صرف پاکستان اور روس کے تعلقات میں نئی جہتیں پیدا کرے گا بلکہ ایک تجربہ کار سفیر کی موجودگی سے دونوں ممالک کے درمیان اعتماد، تعاون اور مثبت روابط کو فروغ ملے گا۔ سفیر کی موجودگی صرف

رسمی نمائندگی تک محدود نہیں، بلکہ یہ سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی تعلقات کا محور بھی ہے۔

فیصل نیاز ترمذی نے 1993 میں پاکستان کے دفترِ خارجہ میں شمولیت اختیار کی اور اس وقت سے لے کر آج تک مختلف اہم سفارتی ذمہ داریاں انجام دی ہیں۔ ان کی سابقہ خدمات میں سب سے نمایاں پاکستان کے متحدہ عرب امارات میں سفیر کی حیثیت سے خدمات ہیں، جہاں انہوں نے تین سال سے زائد مدت تک دونوں ممالک کے درمیان تجارت، سرمایہ کاری، سیاحت اور ثقافتی تعلقات کو فروغ دیا۔ ان کی کاوشوں کے اعتراف میں، UAE کے صدر شیخ محمد بن زائد النہیان نے انہیں "آرڈر آف زائد II" سے نوازا، جو امارات کا سب سے اعلیٰ شہری اعزاز ہے۔ اس کے علاوہ وہ کرغیزستان میں بھی بطور سفیر اپنی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

فیصل نیاز ترمذی نے مختلف ممالک میں قونصل جنرل کے طور پر بھی خدمات انجام دی ہیں، جہاں انہوں نے پاکستانی کمیونٹی کے مسائل حل کرنے، ویزہ سہولیات بہتر بنانے اور پاکستان کی مثبت تصویر اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی سفارتی مہارت، سنجیدگی اور عملی اقدامات نے ہمیشہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر مثبت پہچان دلائی۔

ماسکو میں ان کی تعیناتی سے کئی امیدیں وابستہ ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ وہ دونوں ممالک کے تعلقات میں استحکام، شفافیت اور مثبت روابط پیدا کریں گے۔ ماسکو میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے مسائل کے حل کے لیے بھی ان کی کوششیں اہم ہوں گی تاکہ کمیونٹی کے حقوق اور سہولیات کو یقینی بنایا جا سکے۔ روس میں پاکستانی طلباء کے لیے سکالرشپ پروگرامز اور تعلیمی مواقع کی فراہمی بھی ایک ترجیحی کام ہو گا تاکہ ویزہ اور داخلہ کے مسائل کو آسان بنایا جا سکے اور طلباء کا تعلیمی سفر بلا رکاوٹ جاری رہے۔

پاک روس تعلقات کو مزید مستحکم کرنے کے لیے چند اقدامات کی ضرورت ہے۔ تجارتی تعلقات کو فروغ دینے کے لیے نئے معاہدے، سرمایہ کاری کے منصوبے اور مشترکہ تجارتی

پروگرامز تیار کیے جائیں۔ ثقافتی تعلقات کو بڑھانے کے لیے نمائشیں، میلے اور ادب و موسیقی کے پروگرامز منعقد کیے جائیں تاکہ دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے کے ثقافتی ورثے سے متعارف ہوں۔ سیاحت کے شعبے میں تعاون بڑھایا جائے تاکہ مشترکہ سیاحتی پیکجز کے ذریعے عوامی روابط مضبوط ہوں۔ سفارت خانہ ماسکو میں پاکستانی کمیونٹی کے مسائل کے حل کے لیے بھی فعال رہے اور ویزہ، رہائش اور دیگر قانونی امور میں آسانیاں فراہم کی جائیں۔

ماسکو میں فیصل نیاز ترمذی کی موجودگی سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف سرکاری سطح پر تعلقات مستحکم کریں گے بلکہ کمیونٹی اور عوامی رابطے بھی بہتر بنائیں گے۔ ان کی فعال قیادت سے پاکستان کی مثبت تصویر روس میں اجاگر ہو گی اور دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے کے ثقافتی ورثے اور اقدار کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

یہ کالم لکھتے ہوئے میں ذاتی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں کہ سفیر پاکستان فیصل نیاز ترمذی کی موجودگی ایک نیا حوصلہ پیدا کرے گی۔ ان کی قیادت میں روس میں پاکستانی سرمایہ کاری میں اضافہ ممکن ہے، تجارتی حجم بڑھے گا اور دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون میں نئی

راہیں کھلیں گی۔ پاکستانی طلباء کو بہترین تعلیمی مواقع ملیں گے اور ویزہ و سکالرشپ کی سہولیات میں بہتری آئے گی، جو دونوں ممالک کے درمیان عوامی تعلقات کو مضبوط کرے گی۔

ماسکو میں پاکستانی سفیر کی موجودگی صرف ایک رسمی عہدہ نہیں، بلکہ دو ممالک کے درمیان اعتماد، دوستی اور تعاون کا پل ہے۔ فیصل ترمذی کی تجربہ کاری، سابقہ خدمات اور عالمی سطح پر رابطوں کے تجربے سے پاک روس تعلقات کے نئے باب کا آغاز ہو گا اور توقع ہے کہ تعلقات نئی بلندیوں کو چھوئیں گے، اقتصادی، ثقافتی اور سیاسی شراکت داری مزید مضبوط ہو گی، اور پاکستانی کمیونٹی کے حقوق اور سہولیات میں بھی بہتری آئے گی۔

کالم 13

عمران عباس چدھڑ: تھیلیسیمیا سے لڑنے والا پولیس افسر

تاریخِ اشاعت: 8 اکتوبر 2025

زندگی میں کچھ لوگ ایسے ملتے ہیں جن سے ملاقات وقت کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ برسوں بیت جائیں، مگر ان کی باتوں کی خوشبو، ان کے خلوص کی روشنی، ان کی انسان دوستی کا لمس ذہن پر نقش رہتا ہے۔ ڈی ایس پی عمران عباس چدھڑ انہی نایاب شخصیات میں سے

ایک ہیں ایک ایسا انسان جس نے اپنی وردی کو صرف اختیار کی علامت نہیں بلکہ خدمتِ انسانیت کا استعارہ بنا دیا۔

میری ان سے شناسائی آج کی نہیں، ایک پرانی داستان ہے۔ یہ تعلق اس وقت قائم ہوا جب 1998 میں وہ تھانہ گرجاکھ، گوجرانوالہ کے ایس ایچ او تھے۔ میں صحافتی ذمہ داریوں کے سلسلے میں ان دنوں اکثر ان سے ملا کرتا تھا۔ وہ وقت گزر گیا، مگر ان کی شخصیت کا خلوص اور انسانیت کا رنگ دل پر نقش ہو گیا۔

آج جب میں ماسکو میں ہوں اور وہ گوجرانوالہ کے ڈی ایس پی ہیں، تب بھی ہمارے درمیان وہی تعلق، وہی احترام، وہی اپنائیت قائم ہے۔ جب بھی پاکستان جاتا ہوں، ان سے ملاقات ضرور ہوتی ہے اور ہر ملاقات میں ایک نئی بات، ایک نیا جذبہ سننے کو ملتا ہے۔

وہ فائلوں کے درمیان بیٹھے بھی انسانوں کے دکھ درد پر بات کرتے، اور اکثر کہتے: "اگر قانون لوگوں کے کام نہ آئے، تو پھر وردی پہننے کا مقصد ہی کیا رہ جاتا ہے؟"

یہ ایک عام جملہ نہیں تھا بلکہ ایک نظریہ تھا، جو آج بھی ان کی زندگی کا محور ہے۔

وقت گزرتا گیا، مناصب بدلے، ذمے داریاں بڑھتی گئیں، مگر عمران عباس چدھڑ کا انسان دوستی کا جذبہ پہلے دن جیسا برقرار رہا۔ آج وہ گوجرانوالہ کے ڈی ایس پی ہیں، مگر ان کے دل میں وہی نرم گوشہ، وہی انسانیت کی حرارت زندہ ہے۔ چند ماہ قبل جب میں پاکستان گیا اور ان سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بڑے سکون مگر جذبے بھرے لہجے میں ایک نئی مہم سندس فاؤنڈیشن کے لیے خون کے عطیات جمع کرنے کی تحریک کا ذکر کیا۔

یہ ادارہ تھیلیسیمیا اور خون کی دیگر موروثی بیماریوں میں مبتلا معصوم بچوں کے علاج کے لیے زندگی کی کرن ہے۔ مگر خون کی کمی ان کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب عمران چدھڑ نے اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے باوجود ایک غیر معمولی عزم کے ساتھ یہ مشن سنبھالا یعنی زندگی بانٹنے کا مشن۔

آج ان کے زیرِ انتظام گوجرانوالہ کے مختلف تھانوں، تعلیمی اداروں اور عوامی مقامات پر بلڈ ڈونیشن کیمپ لگائے جا رہے ہیں۔ پولیس اہلکار، طلبہ، تاجر، عام شہری سب اس کارِ خیر میں شامل ہیں۔ یہ صرف ایک مہم نہیں، بلکہ ایک تحریک بن چکی ہے۔

ان کے خلوص سے متاثر ہو کر اب تک ہزاروں خون کے عطیات جمع ہو چکے ہیں، جن کے ذریعے تھیلیسیمیا کے سینکڑوں بچے نئی زندگی پا چکے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ محض ایک پولیس افسر نہیں، بلکہ ایک انسانی تحریک ہیں۔ ان کی اپیل پر لوگ نہ صرف خون دیتے ہیں بلکہ خود کو اس خدمت کا حصہ سمجھتے ہیں۔ پولیس کی وردی میں ملبوس افسر جب اپنا بازو بڑھا کر خون دیتا ہے تو عوام کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے کہ محافظ صرف قانون کا نہیں، انسانیت کا بھی ہے۔

عمران چدھڑ اکثر اپنے ویڈیو پیغامات میں کہتے ہیں: "کسی کے چند قطرے خون، کسی بچے کی پوری زندگی بن سکتے ہیں" ۔ یہ جملہ ان کے ایمان کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ تھیلیسیمیا کا مرض صرف جسمانی نہیں، معاشرتی بھی ہے ایک ایسی خاموش آزمائش جو

والدین کے دلوں کو روز زخمی کرتی ہے۔ ان کے نزدیک خون کا عطیہ دینا محض انسانی فریضہ نہیں، بلکہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اور وہ اس عبادت کو اجتماعی سطح پر زندہ کر رہے ہیں۔

سندس فاؤنڈیشن کے نمائندوں کے مطابق، ڈی ایس پی عمران عباس چدھڑ کے تعاون سے صرف خون ہی نہیں، بلکہ امید اور شعور بھی پھیل رہا ہے۔ لوگ اب سمجھنے لگے ہیں کہ خون دینا کمزوری نہیں، طاقت ہے کیونکہ یہ کسی اور کو زندگی دیتا ہے۔ بچوں کے والدین اکثر کہتے ہیں کہ چدھڑ صاحب نے ہمارے بچوں کو صرف خون نہیں دیا، جینے کی وجہ دی ہے۔ پاکستان میں اکثر پولیس کے بارے میں منفی تاثر سننے کو ملتا ہے، مگر عمران چدھڑ جیسے افسر اس تاثر کو بدل رہے ہیں۔ ان کے کام سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وردی میں صرف اختیار نہیں، احساس بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنے عمل سے یہ سبق دے رہے ہیں کہ پولیس اور عوام کے درمیان رشتہ اعتماد اور محبت پر قائم ہو سکتا ہے، اگر نیت صاف ہو۔

انہوں نے اپنے ماتحت اہلکاروں میں بھی یہ احساس پیدا کیا کہ ہر تین ماہ بعد خون عطیہ کرنا ایک سماجی ذمے داری ہے۔ ان کے ایک ماتحت نے مجھے بتایا کہ سر کہتے ہیں اگر ہم زندگی

نہیں دے سکتے تو کم از کم کسی کی زندگی بڑھا تو سکتے ہیں۔ یہی وہ سوچ ہے جو معاشروں کو بدلتی ہے۔

عمران عباس چدھڑ کا خواب ہے کہ گوجرانوالہ کے ہر تھانے میں مستقل بلڈ کیمپ قائم کیا جائے، جہاں اہلکار اور شہری بآسانی خون عطیہ کر سکیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ ماڈل پورے پنجاب بلکہ پورے پاکستان میں پھیلایا جائے۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر پولیس خدمت کا مرکز بن جائے تو معاشرے سے بے حسی، نفرت اور فاصلے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

میں جب بھی ان سے بات کرتا ہوں، ان کے لہجے میں طاقت نہیں، نرمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ باتوں سے نہیں، عمل سے متاثر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قانون کی حفاظت اور زندگی کی حفاظت ایک ہی چیز ہے دونوں کا مقصد انسان کو محفوظ رکھنا ہے۔

مجھے ان پر فخر ہے۔ یہ فخر کسی دوستی کا نہیں، ایک جذبے کا ہے اس یقین کا کہ ابھی بھی ہمارے معاشرے میں وہ لوگ موجود ہیں جو اختیار کو خدمت میں بدلنے کا ہنر جانتے ہیں۔ گوجرانوالہ کے ان گلی کوچوں میں جہاں کبھی پولیس کی سختی کا سایہ محسوس ہوتا تھا، آج

انسانیت کی خوشبو ہے۔ ہر بچے کی مسکراہٹ، ہر خون کے عطیے کی بوتل، ہر والدین کی دعا سب گواہی دیتے ہیں کہ ڈی ایس پی عمران عباس چدھڑ نے اپنی وردی سے نہیں، اپنے دل سے خدمت کی ہے۔

عمران عباس چدھڑ ان چند نایاب لوگوں میں سے ہیں جن کی زندگی فرض سے آگے بڑھ کر خدمت بن جاتی ہے۔ وہ وردی میں چھپا وہ دل ہیں جو کسی بچے کی مسکراہٹ کے لیے دھڑکتا ہے، کسی ماں کے آنسو پونچھنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ انہوں نے دکھا دیا کہ پولیس صرف قانون کی طاقت نہیں، احساس کی زبان بھی بن سکتی ہے۔ وہ قطرہ قطرہ زندگی بانٹ رہے ہیں اور ان کا ہر عطیہ، ہر پیغام، ہر کوشش اس بات کا اعلان ہے کہ انسانیت ابھی زندہ ہے۔

کالم 14

بیلاروس جانے کا خواب یا موت کا سفر؟

تاریخِ اشاعت: 24 ستمبر 2025

پاکستان کے باسی برسوں سے بہتر مستقبل کے خواب دیکھتے آئے ہیں۔ ہر شہری کے دل میں اپنے بچوں کے لیے تعلیم، روزگار اور سکونت کی امید جاگی ہوئی ہے۔ مگر جب وطن میں مہنگائی، بے روزگاری اور کاروباری پیچیدگیاں بڑھتی ہیں، تو یہ خواب دھندلے پڑ جاتے ہیں۔

لوگ یا تو وطن میں صبر و تحمل کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں یا اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی بہتر زندگی کے لیے پردیس کا رخ کرتے ہیں۔ اور آج یہ پردیس اکثر بیلاروس کے نام سے جڑ گیا ہے۔

وزیراعظم میاں محمد شہباز شریف کے بیلاروس دورے کے دوران یہ اعلان ہوا کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ پاکستانیوں کو بیلاروس بھیجا جا سکتا ہے۔ مگر یہ وعدہ ابھی تک عملی معاہدے میں تبدیل نہیں ہوا۔ یہی خلا ایجنٹ مافیا کے لیے سنہری موقع بن گیا۔ یوٹیوب اور ٹک ٹاک پر وہ کھلے عام "بیلاروس ویزہ" دینے کے جھانسے دے رہے ہیں، لاکھوں روپے وصول کر رہے ہیں اور سادہ لوح شہریوں کو فریب دے کر اپنے جال میں پھنساتے ہیں۔

ایجنٹ حضرات ہر شخص سے 18 لاکھ سے 28 لاکھ روپے تک وصول کرتے ہیں اور اسے یہ باور کراتے ہیں کہ یورپ کا دروازہ بیلاروس سے کھلتا ہے۔ بیلاروس پہنچنے کے بعد حقیقت منظرعام پر آتی ہے۔ اکثر پاکستانیوں کو محض ایک رجسٹریشن اسٹیکر دیا جاتا ہے، ملازمت کی

ضمانت نہیں، اور تنخواہ محض 400 سے 500 ڈالر ماہانہ۔ بہت سے افراد فرضی کمپنیوں کے ذریعے وہاں بھیجے جاتے ہیں، جہاں نہ کوئی کام ملتا ہے اور نہ کوئی تحفظ۔

یہیں سے ایک اور اندوہناک حقیقت سامنے آتی ہے۔ بہت سے پاکستانی بیلاروس کو یورپ تک پہنچنے کے لیے صرف ایک "ٹرانزٹ پوائنٹ" سمجھتے ہیں۔ وہ یہاں سے غیر قانونی طور پر پولینڈ کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سرد راتوں، برفانی جنگلات اور خطرناک راستوں میں کئی نوجوان اپنی جانیں گنوا بیٹھتے ہیں۔ کچھ کی لاشیں جنگلات میں رہ جاتی ہیں اور اہل خانہ آج تک یہ نہیں جان پاتے کہ ان کے پیارے کہاں گئے۔ یہ مناظر ایک قوم کے لیے انسانی المیہ ہیں، جو ہر ایک پاکستانی کے دل کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔

پاکستانی سفارتخانے منسک کا کردار یہاں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سفارتخانہ نہ صرف عوام کے لیے پہلا سہارا ہونا چاہیے بلکہ وہ بیلاروس میں موجود پاکستانیوں کی جان و مال کا نگہبان بھی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ بیلاروس جانے والے شہریوں کے لیے آگاہی مہم چلائے، فرضی کمپنیوں اور جعلی ورک پرمٹس کے خلاف کارروائی کرے، متاثرہ پاکستانیوں

کے لیے لیگل ایڈ ڈیسک قائم کرے، سرحد پر پھنسے ہوئے پاکستانیوں کے لیے فوری مدد فراہم کرے، بیلاروس حکومت کے ساتھ مل کر قانونی راستے تلاش کرے۔ بد قسمتی سے موجودہ صورتحال یہ ہے کہ سفارتخانہ زیادہ تر رسمی نوعیت کی سرگرمیوں تک محدود ہے، اور اسی خاموشی سے ایجنٹوں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں۔ یوٹیوب اور ٹک ٹاک پر کھلے عام دھوکے اور فراڈ کی تشہیر ہو رہی ہے، اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔

یہ انسانی المیہ صرف مالی نقصان تک محدود نہیں۔ یہ پاکستان کے مستقبل کے لیے بھی خطرہ ہے۔ جو نوجوان اپنی صلاحیتیں، تعلیم اور محنت بیلاروس کے جنگلوں میں چھوڑ کر واپس آتے ہیں، وہ ملک کے انسانی سرمایہ میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا، تو آنے والے برسوں میں پاکستان میں ہنر مند اور تعلیم یافتہ طبقہ نایاب ہو جائے گا اور ملک صرف صارفین کی قوم میں بدل جائے گا۔ ایسے میں حکومت اور ایف آئی اے کی ذمہ داری ہے کہ غیر قانونی ایجنٹس کے خلاف فوری کارروائی کرے، یوٹیوب اور ٹک ٹاک پر ان کے اشتہارات کو روکے۔ سفارتخانے کی فعال نگرانی اور عوام کے لیے شفاف آگاہی

فراہم کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ متاثرین کو قانونی، معاشی اور نفسیاتی معاونت فراہم کرنا بھی لازمی ہے۔ پاکستانی نوجوان ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اگر انہیں وطن میں رہ کر ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں، تو نہ صرف وہ ملک کے لیے کام کر سکیں گے بلکہ وہی نوجوان اپنے خوابوں کے تحفظ کے لیے بھی سب سے آگے ہوں گے۔ بصیرت اور عملی اقدامات کے بغیر یہ ہجرتی سلسلہ رکنے والا نہیں، اور بیلاروس کے خواب ایک دن موت کے سفر میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اداروں کو حرکت میں آنا ہو گا، ایجنٹوں کو قانون کے شکنجے میں لانا ہو گا اور سفارتخانوں کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوں گی۔ بصورت دیگر بیلاروس کا سفر پاکستانیوں کے لیے یورپ کا دروازہ نہیں بلکہ قبر کا راستہ ثابت ہوتا رہے گا۔

یہ لمحہ قوم کے لیے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا ہے۔ کیا ہم اپنے ہنر مند نوجوانوں کو پردیس میں بھیج کر اپنی قوم کی ترقی کو قربان کر رہے ہیں، یا انہیں محفوظ، شفاف اور قانونی راستوں پر ترقی کے لیے رہنمائی فراہم کریں گے؟ بیلاروس کے خواب نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہر

خواب کو حقیقت بنانے کے لیے محتاط منصوبہ بندی، قانون کی پاسداری اور ذمہ دار ادارے لازمی ہیں۔

كالم 15

سفیر محمد خالد جمالی: ماسکو میں پاکستان کے سفارتی وقار کے علمبردار

تاریخِ اشاعت: 17 ستمبر 2025

ماسکو میں پاکستانی سفارت خانے کی قیادت کرتے ہوئے سفیر محمد خالد جمالی نے نہ صرف پاکستان کے موقف کو عالمی سطح پر مضبوط انداز میں پیش کیا بلکہ روس کے ساتھ تعلقات کو نئی

بلندیوں تک پہنچایا۔ اب اپنی کامیاب تعیناتی مکمل کر کے وطن واپس جا رہے ہیں، اور ان کے خدمات کے نقوش ماسکو میں پاکستانی کمیونٹی اور سفارتی حلقوں میں طویل عرصے تک یاد رکھے جائیں گے۔

محمد خالد جمالی 1967 میں بلوچستان میں پیدا ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بین الاقوامی تعلقات اور سیاسی سائنس میں مہارت حاصل کی۔ جبکہ 1995 میں انہوں نے فارن سروس آغاز کیا۔ ان کی تعلیم اور تربیت نے انہیں سفارتی میدان میں چابکدستی اور بصیرت کے ساتھ پاکستان کے موقف کو عالمی سطح پر پیش کرنے کے قابل بنایا۔

ماسکو میں بطور سفیر ان کی خدمات کے کئی اہم پہلو نمایاں رہے۔ اقتصادی تعلقات کے فروغ کے لیے انہوں نے پاکستانی اور روسی کاروباری شخصیات کے درمیان مذاکرات اور پروگرامز کا اہتمام کیا، جس سے توانائی، زراعت، انفاریشن ٹیکنالوجی اور دیگر اہم شعبوں میں تعاون کے نئے مواقع پیدا ہوئے۔ ان کے اقدامات نے نہ صرف دونوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات مضبوط کیے بلکہ سرمایہ کاری کے نئے راستے بھی کھولے۔ سفیر جمالی کی

کوششوں سے پاکستان اور روس کے درمیان توانائی اور گیس کے شعبے میں اشتراک کے امکانات بھی مضبوط ہوئے، جو مستقبل میں دونوں ممالک کے اقتصادی تعلقات کے لیے بنیاد فراہم کریں گے۔

ثقافتی تعلقات میں بھی ان کا کردار بے حد اہم رہا۔ انہوں نے ماسکو میں پاکستانی ثقافت، ادب، اور فنون لطیفہ کو متعارف کرانے کے لیے متعدد پروگرامز اور نمائشیں منعقد کیں۔ پاکستانی فلم فیسٹیولز اور روایتی فنون کی نمائشیں ان کی ذاتی دلچسپی اور محنت کا مظہر ہیں۔ ان پروگراموں نے روسی عوام کے دلوں میں پاکستان کے لیے مثبت جذبات پیدا کیے اور ثقافتی تعلقات میں بھی نئی جان ڈالی۔

سفیر جمالی نے پاکستانی کمیونٹی کے مسائل حل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ماسکو میں مقیم پاکستانی طلبہ، کاروباری حضرات اور دیگر شہری ہمیشہ ان کے دفتر کا رخ کرتے، جہاں انہوں نے نہ صرف مسائل سنے بلکہ عملی اقدامات کے ذریعے حل بھی فراہم کیے۔ ان کی

کوششوں سے پاکستانی کمیونٹی کے درمیان اتحاد اور اعتماد میں اضافہ ہوا اور سفارت خانے نے ایک حقیقی معاون اور رہنما کی حیثیت حاصل کی۔

بین الاقوامی تعلقات اور سیاسی میدان میں، سفیر محمد خالد جمالی نے پاک بھارت تعلقات اور پاک بھارت جنگ کے حساس معاملات پر پاکستان کے موقف کو مضبوط اور واضح انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے ہر فورم پر یہ واضح کیا کہ پاکستان اپنے دفاع اور علاقائی امن کے لیے ہر جائز اقدام کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مسئلہ کشمیر میں پاکستان کے موقف کو انہوں نے بین الاقوامی سطح پر موثر انداز میں پیش کیا، اور روسی سیاستدانوں اور میڈیا کے درمیان پاکستان کے موقف کو قابل احترام بنایا۔ ان کی سفارتی حکمت عملی نے یہ ظاہر کیا کہ طاقت اور عقل کا امتزاج ہی کامیاب سفارتکاری کی بنیاد ہے۔

ایک حالیہ نمایاں کارنامہ، جس نے سفیر پاکستان محمد خالد جمالی کی ماسکو میں خدمات کو مزید روشن کیا، وہ "روحانی اتحاد" کے تمغے سے نوازا جانا تھا۔ 17 ستمبر 2025 کو ماسکو کی کیتھیڈرل مسجد میں یہ اعزاز ان کو روس کی مفتیان کونسل کے پہلے نائب چیئرمین رشّان حضرت

عبّیاسوف نے پیش کیا۔ یہ اعزاز سفیر محمد خالد جمالی کی ثقافتی و مذہبی تعلقات کو مضبوط بنانے، اور روس میں مسلم کمیونٹی کے ساتھ پاکستان کے رشتوں کو فروغ دینے کی خدمات کا اعتراف تھا۔ اس موقع پر انہوں نے مسجد کے لیے پاکستانی خطاط شاہ عبداللہ عالمی کے فن پارے کا تحفہ پیش کیا، جس میں صوفی شاعر بابا بلھے شاہ کے اشعار شامل تھے، جو توحید اور انسانی بھائی چارے کی اعلیٰ روحانی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں۔

سفیر محمد خالد جمالی کی شخصیت میں ایک منفرد ادبی رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ماسکو کی سردیوں میں جب وہ پاکستانی ثقافت اور ادب کی بات کرتے، سننے والے محسوس کرتے کہ وطن کی محبت اور خدمت کی آگ ان کے دل میں ہمیشہ جلتی رہی ہے۔ ان کی گفتگو میں شائستگی، نرمی، مٹھاس، ادب، وطن دوستی اور فہم و فراست کی خوشبو ہمیشہ محسوس کی جا سکتی تھی، جو سفارتکاری کے عام طریقہ کار سے کہیں زیادہ دل کو چھو لینے والا تھا۔

ماسکو میں ان کی قیادت میں پاکستانی سفارت خانہ نہ صرف ایک انتظامی ادارہ بلکہ ثقافتی، تعلیمی، مذہبی اور سماجی تعلقات کا مرکز بن گیا۔ انہوں نے ہر محاذ پر پاکستان کی عزت اور وقار

کو برقرار رکھا، اور یہ ثابت کیا کہ ایک سفیر صرف ممالک کے درمیان تعلقات کا رابطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے علم، تجربے، بصیرت اور لگن کے ذریعے تعلقات کو مضبوط کرنے والا ایک حقیقی علمبردار بھی ہوتا ہے۔

اب جبکہ وہ وطن واپس جا رہے ہیں، ماسکو میں ان کی خدمات ایک روشن باب کے طور پر یاد رکھی جائیں گی۔ ان کے تجربات اور حکمت عملی نہ صرف پاکستانی سفارتکاری کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں گے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک مثال قائم کریں گے۔ محمد خالد جمالی کی انتھک محنت، وطن دوستی اور انسانی ہمدردی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سفارتکاری صرف دفاتر اور مذاکرات تک محدود نہیں بلکہ ثقافت، بھائی چارہ، اور روحانی ہم آہنگی کے ذریعے بھی ایک قوم کی عزت اور وقار بلند کیا جا سکتا ہے۔

کالم 16

پوتن، شہباز ملاقات اور پاکستان کے مفادات

تاریخِ اشاعت: 29 اگست 2025

روسی صدر ولادیمیر پوتن اور وزیراعظم شہباز شریف کے درمیان ملاقات سفارتی چینلز کے ذریعے طے پا گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق یہ ملاقات چین میں ہونے والے شنگھائی تعاون

تنظیم (SCO) سمٹ کی سائیڈ لائن پر ہوگی۔ یہ ملاقات دونوں رہنماؤں کو خطے کے اہم سیاسی اور اقتصادی امور پر براہِ راست تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کرے گی اور پاکستان۔ روس تعلقات میں ایک نیا باب کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

پاکستان اور روس کے درمیان تعلقات وقت کے ساتھ نئی جہتیں اختیار کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں جب دنیا شدید معاشی اور جغرافیائی کشمکش کا شکار ہے، وزیراعظم شہباز شریف اور روسی صدر پوتن کی متوقع ملاقات غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ اس ملاقات سے دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور مشترکہ مسائل پر کھل کر گفتگو کرنے کا موقع ملے گا۔

گزشتہ چند برسوں میں عالمی طاقتوں کی صف بندی بدلتی جا رہی ہے۔ روس مغرب کے ساتھ تنازعات میں الجھا ہوا ہے جبکہ پاکستان بھی اپنی خارجہ پالیسی میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسے میں ماسکو اور اسلام آباد کا قریب آنا نہ صرف دونوں ممالک کے لیے

مفید ہو سکتا ہے بلکہ خطے کے امن اور اقتصادی استحکام پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

پاکستان کو روس سے توانائی کے شعبے میں تعاون کی فوری ضرورت ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور توانائی کے بحران نے ملکی معیشت کو شدید دباؤ میں ڈال رکھا ہے۔ وزیراعظم شہباز شریف کے لیے یہ موقع ہے کہ وہ صدر پوتن کے سامنے سستے تیل اور گیس کی فراہمی کے معاملات کو عملی شکل دینے کے لیے بات کریں۔ اگر روس پاکستان کو طویل المدتی بنیادوں پر توانائی فراہم کرنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ نہ صرف پاکستان کی معیشت کے لیے ریلیف ہو گا بلکہ دونوں ممالک کے تعلقات کو نئی بنیاد فراہم کرے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ دونوں ممالک کے درمیان تجارتی حجم آج بھی محدود ہے۔ زراعت، ٹرانسپورٹ اور دفاعی تعاون کے شعبوں میں نئے راستے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ وزیراعظم شہباز شریف کو صدر پوتن سے یہ سوال رکھنا چاہیے کہ کیا روس پاکستان کی ٹیکسٹائل، زرعی اجناس اور دیگر مصنوعات کو اپنی منڈی تک رسائی دینے پر آمادہ ہے؟ اور کیا

روسی سرمایہ کار پاکستان کے انفراسٹرکچر اور زرعی منصوبوں میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں؟ یہ سوالات پاکستان کے لیے زرمبادلہ کے بحران سے نکلنے کا ایک راستہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

وزیراعظم کو تعلیم اور نوجوانوں کے مواقع پر بھی زور دینا چاہیے۔ ہزاروں پاکستانی طلبہ روس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ویزہ مسائل اور اسکالرشپ کی کمی ان کے خوابوں میں رکاوٹ ہے۔ اس ملاقات میں یہ سوال اٹھانا ناگزیر ہے کہ روس پاکستانی طلبہ کے لیے اسکالر شپس بڑھائے اور ویزہ پراسیسنگ آسان بنائے۔ مزید برآں، پاکستانی ورک ویزہ کے لیے مخصوص کوٹہ بھی منظور کروانا چاہیے تاکہ مزدور، پیشہ ور اور ٹیکنیکل شعبوں کے افراد روس میں قانونی طور پر کام کر سکیں اور دونوں ممالک کے درمیان انسانی وسائل کا تبادلہ بھی بڑھے۔

علاقائی سیاست میں روس کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ افغانستان کے استحکام اور وسطی ایشیائی خطے میں امن کے لیے پاکستان اور روس کی مشترکہ حکمت عملی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ تاہم مسلم امہ کے دیرینہ مسائل، فلسطین اور کشمیر، بھی اسی

قدر اہم ہیں۔ روس کا فلسطین کے مسئلے پر موقف ہمیشہ اصولی اور فلسطینی عوام کے قریب رہا ہے، لیکن موجودہ حالات میں پاکستان یہ توقع رکھتا ہے کہ ماسکو نہتے فلسطینی عوام پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف اپنی آواز مزید بلند کرے گا۔ اسی طرح مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کے خاتمے اور کشمیری عوام کے حقِ خود ارادیت کے لیے بھی روس سے ایک واضح اور عملی موقف کی امید کی جا رہی ہے۔

یہ ملاقات پاکستان کے لیے محض ایک موقع نہیں بلکہ ایک امتحان بھی ہے۔ اگر وزیراعظم شہباز شریف اس گفتگو کو محض رسمی جملوں تک محدود رکھتے ہیں تو یہ تاریخ کی ایک اور تصویر اور چند بیانوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گی۔ لیکن اگر وہ جرات اور بصیرت کے ساتھ ان بڑے سوالات کو صدر پوتن کے سامنے رکھیں اور ان کے جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہوں تو یہ ملاقات پاکستان اور روس دونوں کے لیے نئے دور کی بنیاد بن سکتی ہے۔ پاکستان کو اس وقت ایک ایسی خارجہ پالیسی کی ضرورت ہے جو کاغذی نہیں بلکہ عملی ہو، جو

محض بیانات پر نہیں بلکہ عوام کو ریلیف دینے والے فیصلوں پر استوار ہو۔ یہی وہ امتحان ہے جس میں وزیراعظم شہباز شریف کو کامیاب ہونا ہو گا۔

کالم 17

کشمیر: قربانیوں کا سفر اور آزادی کی جدوجہد

تاریخِ اشاعت: 22 اگست 2025

مسئلہ کشمیر برصغیر کی تقسیم کے فوراً بعدپیدا ہونے والا وہ تنازع ہے جو آج بھی جنوبی ایشیا کے امن کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ تقسیم کے وقت یہ اصول طے پایا تھا کہ مسلم اکثریتی علاقے پاکستان کے ساتھ شامل ہوں گے، لیکن ریاست جموں و کشمیر کی

اکثریت مسلم آبادی پر مشتمل ہونے کے باوجود ڈوگرہ حکمران کی بھارت نوازی اور نئی دہلی کی سیاسی چالاکیوں کے باعث یہ خطہ ایک ایسے تنازع کا شکار ہو گیا جس نے کروڑوں انسانوں کو گزشتہ سات دہائیوں سے مسلسل اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اقوام متحدہ نے 1948 میں قرارداد کے ذریعے کشمیری عوام کو استصواب رائے کا حق دینے کا وعدہ کیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ وعدہ محض کاغذی تحریروں تک محدود رہ گیا۔ بھارت نے نہ صرف ان قراردادوں کو نظر انداز کیا بلکہ کشمیر پر اپنا جبری تسلط مزید مستحکم کرنے کے لیے ایسے اقدامات کیے جنہوں نے کشمیری عوام کی سیاسی، سماجی اور معاشی آزادی کو کچل کر رکھ دیا۔

پانچ اگست 2019 کو بھارتی حکومت نے اچانک اپنے آئین کے آرٹیکل 370 اور 35A کو منسوخ کر کے کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کر دی۔ اس اقدام کے ذریعے کشمیری عوام کی شناخت اور حقوق چھیننے کی کوشش کی گئی اور غیر کشمیریوں کو بڑی تعداد میں بسا کر آبادی کے

تناسب کو تبدیل کرنے کی سازش شروع ہوئی۔ یہ فیصلہ نہ صرف اقوام متحدہ کی قراردادوں کے خلاف تھا بلکہ بھارتی آئین اور شملہ معاہدے کی بھی کھلی خلاف ورزی تھی۔

اس کے بعد سے وادی کشمیر دنیا کے سب سے بڑے فوجی محاصرے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لاکھوں بھارتی فوجی نہتے عوام پر مسلط ہیں۔ پیلٹ گنز سے نوجوانوں کی بینائی چھین لی گئی، ہزاروں ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگیاں ہوئیں، خواتین کی عزتوں کو پامال کیا گیا اور انٹرنیٹ سمیت تمام ذرائع ابلاغ بند کر کے کشمیری عوام کو دنیا سے کاٹ دیا گیا۔ ان تمام مظالم کے باوجود کشمیری عوام نے اپنے حق خودارادیت سے دستبردار ہونے سے انکار کیا اور پاکستان کے ساتھ اپنے رشتے کو مزید مضبوط کیا۔

پاکستان نے ہمیشہ ہر فورم پر کشمیری عوام کی حمایت کی ہے۔ اقوام متحدہ ہو یا او آئی سی، ہر جگہ پاکستان نے یہ مقدمہ پیش کیا کہ کشمیر کے بغیر برصغیر میں امن ممکن نہیں۔ ہر سال پانچ فروری کو یوم یکجہتی کشمیر منایا جاتا ہے جو اس عزم کی علامت ہے کہ پاکستانی عوام اور حکومت کشمیری بھائیوں کی جدوجہد میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

پاکستان کی کوششوں کو عالمی طاقتوں کی بے حسی اور بھارت کے معاشی و تزویراتی تعلقات کے سامنے اکثر دب جانا پڑا۔ آج پاکستان کو اپنی سفارتکاری کو زیادہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھانے اور جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے۔

عالمی برادری کا رویہ اس مسئلے پر دوہرے معیار کا عکاس ہے۔ مغربی ممالک جہاں یوکرین کے مسئلے پر فوری اور موثر اقدامات کرتے ہیں، وہیں کشمیر کے انسانی المیے پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بارہا اپنی رپورٹوں میں بھارتی فوجی مظالم کو بے نقاب کر چکی ہیں، لیکن عملی طور پر بھارت کو کسی احتساب کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہی خاموشی بھارت کو مزید بے لگام اور کشمیری عوام کے خلاف زیادہ سخت اقدامات پر آمادہ کر رہی ہے۔

کشمیر کا مسئلہ محض پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدی تنازع نہیں بلکہ یہ کروڑوں انسانوں کے بنیادی حقوق اور آزادی کا سوال ہے۔ جب تک کشمیری عوام کو ان کا حق

خودارادیت نہیں دیا جاتا، خطے میں امن اور ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ کشمیری عوام کی اخلاقی، سیاسی اور سفارتی حمایت جاری رکھے اور عالمی برادری کو اس مسئلے کے حل کے لیے مجبور کرے۔ کشمیر کی آزادی صرف کشمیریوں کی نہیں بلکہ پورے برصغیر کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر خطے میں پائیدار امن ممکن نہیں۔

کالم 18

پوتن اور ٹرمپ کی ملاقات، عالمی سیاست کی نئی تشکیل

تاریخِ اشاعت: 16 اگست 2025

روس کے صدر ولادیمیر پوتن اور امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی ملاقات بین الاقوامی سیاست میں ایک غیر معمولی واقعہ قرار دی جا رہی ہے۔ یہ ملاقات ایسے وقت میں ہوئی ہے

جب دنیا شدید سیاسی اور معاشی بحرانوں سے گزر رہی ہے۔ یوکرین تنازعہ نے یورپ کو توانائی کے بحران میں مبتلا کر دیا ہے، نیٹو کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں نے روس کے خدشات کو مزید تقویت دی ہے اور ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت نے امریکہ کے لیے نئے چیلنجز کھڑے کر دیے ہیں۔ ان تمام حالات نے اس ملاقات کو غیر معمولی اہمیت دی۔

گفتگو کے دوران صدر پوتن نے کھل کر روس کے خدشات اور موقف بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مغرب روس کے اردگرد عسکری دباؤ بڑھا کر خطے کو غیر مستحکم کر رہا ہے۔ پوتن کا موقف تھا کہ روس اپنی سلامتی پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرے گا، تاہم اگر مغربی طاقتیں سنجیدہ بات چیت پر آمادہ ہوں تو روس تعاون کے دروازے بند کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ ان کا لب و لہجہ سخت مگر حقیقت پسندانہ تھا۔

یوکرین سے جاری جنگ کی صورتحال پر بات کرتے ہوئے صدر پوتن نے کہا کہ وہ یوکرینی عوام کو بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ یوکرین کی موجودہ صورتحال سانحہ ہے اور روس کے لئے بہت دکھ کا باعث ہے۔ صدر پوتن نے کہا کہ یوکرین کی سکیورٹی یقینی بنائی جانی چاہیے اور

اس مقصد کے لئے ماسکو کام کرنے پر تیار ہے تاہم انہوں نے یوکرین تنازعہ نمٹانے اور دیرپا سمجھوتے کے لئے مسئلہ کی جڑ ختم کرنے پر زور دیا۔

صدر پوتن کا کہنا تھا کہ پائیدار اور دیرپا امن کے لیے جنگ کی بنیادی وجوہات کو ختم کرنا ہو گا، متعدد بار کہا ہے کہ روس کے تمام جائز خدشات کو زیر غور لانا ہو گا۔ یورپ سمیت دنیا بھر میں سلامتی کے توازن کو بحال کرنے کا کہا ہے۔

ٹرمپ نے اپنی روایت کے مطابق "امریکہ فرسٹ" پالیسی کا عکس پیش کیا۔ انہوں نے یورپی اتحادیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ نیٹو ہمیشہ امریکی وسائل پر انحصار کرتا رہا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ یورپ اپنی سلامتی کی ذمہ داری خود اٹھائے۔ ٹرمپ نے واضح کیا کہ وہ غیر ضروری جنگوں کے مخالف ہیں اور روس کے ساتھ تعلقات کو امریکہ کی معیشت کے لیے فائدہ مند تصور کرتے ہیں۔ توانائی اور تجارت کے میدان میں انہوں نے روس کے ساتھ تعاون کے امکانات کو مثبت انداز میں بیان کیا۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سن 2016 کے صدارتی انتخابات میں روسی مداخلت کے الزام کو دھوکہ دہی قرار دیا۔

توانائی اور معیشت اس ملاقات کا ایک اور اہم موضوع رہے۔ روس نے اپنی توانائی کے ذخائر کو عالمی منڈیوں تک پہنچانے کے نئے راستے تجویز کیے جبکہ ٹرمپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ توانائی کا بحران مغرب کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے اور روس کے ساتھ تعاون اس بحران کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس پہلو کو خاص طور پر یورپی منڈیوں میں دلچسپی کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔

سفارتی حلقے اس ملاقات کو عالمی سیاست میں ایک اہم موڑ قرار دے رہے ہیں۔ اگرچہ مغربی دنیا اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ روس اور امریکہ کے درمیان مکالمے کے بغیر کوئی بھی عالمی بحران حل نہیں ہو سکتا۔ تجزیہ کار اس ملاقات کو برف پگھلانے کی ایک ابتدائی کوشش قرار دے رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ فوری نتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی، لیکن اس مکالمے نے دنیا کو ایک مثبت اشارہ ضرور دیا ہے۔

ماسکو میں اس وقت یہ احساس عام ہے کہ پوتن اور ٹرمپ کی ملاقات نے عالمی سیاست میں ایک نئی بحث کا آغاز کر دیا ہے۔ اب یہ آنے والا وقت طے کرے گا کہ آیا یہ ملاقات

تعاون کی نئی راہیں کھولے گی یا اختلافات کی پرانی داستان کو مزید طول دے گی۔ مگر ایک بات طے ہے کہ یہ ملاقات محض رسمی گفتگو نہیں بلکہ عالمی سیاست کی نئی تشکیل کا نقطہ آغاز ہے۔

کالم 19

آلاسکا کی گونج! پوتن، ٹرمپ ملاقات اور دنیا کی امیدیں

تاریخِ اشاعت: 15 اگست 2025

دنیا کی نظریں ایک بار پھر روس اور امریکہ کے تعلقات پر جم گئیں ہیں۔ آج 15 اگست 2025 کو امریکی ریاست الاسکا کے روشن شہر انکرج میں وہ لمحہ آیا ہے جس کا عالمی سیاست

میں کئی ہفتوں سے انتظار تھا۔ یہ وہ لمحہ ہے جب صدر ولادیمیر پوتن اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ براہِ راست ایک میز کے گرد بیٹھ کر عالمی منظرنامے کو ترتیب دینے کی کوشش کریں گے۔ روسی صدر ولادیمیر پوتن اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ، دونوں دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ آمنے سامنے بیٹھ رہے ہیں۔ ملاقات کا وقت مقامی وقت کے مطابق صبح ساڑھے گیارہ بجے (ماسکو کے وقت کے مطابق رات ساڑھے 10 بجے) مقرر کیا گیا ہے، اور یہ مقام انکرج کنونشن سینٹر ہو گا۔

یہ ملاقات ایک ایسے وقت ہو رہی ہے جب ماسکو اور واشنگٹن کے تعلقات کئی دہائیوں کی بدترین کشیدگی سے گزر رہے ہیں۔ یوکرین تنازع، نیٹو کی مشرقی یورپ میں موجودگی، اقتصادی پابندیاں اور عالمی توانائی بحران دونوں فریقین کے درمیان خلیج کو گہرا کر چکے ہیں۔ تاہم اس ملاقات سے پہلے دونوں ممالک کے بیانات میں نسبتاً نرم لہجہ نظر آیا ہے، جو کسی ممکنہ پیش رفت کی امید دلاتا ہے۔

کریملن کے اعلامیے کے مطابق، ملاقات کا پہلا مرحلہ ون آن ون نشست پر مشتمل ہو گا، جس میں صرف دونوں صدور اور مترجمین شریک ہوں گے۔ اس مرحلے کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ نجی مکالمہ کسی بھی بڑے معاہدے یا پیش رفت کا آغاز بن سکتا ہے۔ ماسکو میں سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ پوتن اور ٹرمپ کی ذاتی ہم آہنگی ممکنہ طور پر اس ملاقات کا رخ مثبت سمت میں موڑ سکتی ہے۔

نجی نشست کے بعد اعلیٰ سطحی وفود شامل ہوں گے۔ روسی وفد میں یوری اشاکوف، وزیر خارجہ سرگئی لاوروف، وزیر دفاع اینڈری بیلوسوف، وزیر خزانہ انٹون سِلویانوف، اور روسی براہِ راست سرمایہ کاری فنڈ کے سربراہ کیرِل دمتریف بھی موجود ہوں گے۔ امریکی وفد کی مکمل فہرست ابھی تک جاری نہیں کی گئی، تاہم امکان ہے کہ نائب صدر، وزیر خارجہ، قومی سلامتی کے مشیر اور دیگر کلیدی شخصیات شامل ہوں گی۔ ایجنڈا وسیع اور حساس ہے یوکرین تنازع، توانائی کی فراہمی میں استحکام، عالمی تجارتی تعاون، اور انسدادِ دہشت گردی جیسے موضوعات پر

بات ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ، ممکنہ اقتصادی معاہدوں اور سفارتی تعلقات کی بحالی پر بھی غور متوقع ہے۔

یہ ملاقات ایک ایسے وقت میں ہو رہی ہے جب دنیا سیاسی اعتبار سے منقسم ہے۔ ایک طرف امریکہ اور اس کے یورپی اتحادی ہیں، جو یوکرین کے مسئلے پر سخت موقف رکھتے ہیں، اور دوسری طرف روس ہے، جو اپنی سلامتی اور علاقائی مفادات کے لیے ایک مختلف حکمتِ عملی اپنائے ہوئے ہے۔ اس تناظر میں الاسکا ملاقات محض دو رہنماؤں کی بات چیت نہیں بلکہ دو عالمی نظریات کا ٹکراؤ بھی ہے۔ بین الاقوامی ماہرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ ایک ہی نشست میں تمام مسائل کا حل ممکن نہیں، لیکن یہ ملاقات تعلقات میں جمی برف پگھلانے کا پہلا قدم ہو سکتی ہے۔ خاص طور پر یوکرین تنازع میں اگر کسی درمیانی راستے کی بنیاد رکھی گئی تو یہ پیش رفت دنیا کے سیاسی توازن پر گہرے اثرات ڈال سکتی ہے۔

تجزیہ کاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک ہی ملاقات میں بڑے معاہدے متوقع نہیں، لیکن یہ نشست آئندہ مذاکرات کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اگر دونوں رہنما یوکرین تنازع میں کسی

عبوری حل پر متفق ہو گئے یا توانائی کے شعبے میں تعاون بڑھانے کا عندیہ دیا، تو یہ عالمی معیشت کے لیے بڑی خبر ہوگی۔

مذاکرات کے بعد دونوں صدور کی ایک مشترکہ پریس کانفرنس بھی متوقع ہے۔ یہ لمحہ اس ملاقات کے اصل نتائج کو دنیا کے سامنے لانے کا ہو گا۔ کیا یہ نشست ایک نئے باب کا آغاز کرے گی یا پھر رسمی بیانات تک محدود رہ جائے گی؟ یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہے۔ ماسکو میں اس وقت ایک محتاط امید کی فضا ہے۔ یہاں کے سیاسی حلقے یہ سمجھتے ہیں کہ پوتن کی سفارت کاری اور ٹرمپ کے کاروباری مزاج کا امتزاج ممکنہ طور پر کسی مثبت پیش رفت کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔

الاسکا کی ٹھنڈی ہواؤں میں آج صرف دو صدور نہیں مل رہے، بلکہ دو صدیوں پر محیط سفارتی ورثہ، دو مختلف سیاسی نظریات، اور دنیا کی امیدیں آمنے سامنے بیٹھی ہیں۔ تاریخ یہ طے کرے گی کہ یہ ملاقات ایک سفارتی موڑ تھی یا محض ایک رسمی تصویر کا موقع۔ لیکن ایک

بات یقینی ہے دنیا کی نظریں آج الاسکا پر ہیں، اور ہر لفظ، ہر مصافحہ اور ہر مسکراہٹ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو رہی ہے۔

کالم 20

ماسکو سے آلاسکا تک: امن کے لیے فیصلہ کن قدم

تاریخِ اشاعت: 12 اگست 2025

ماسکو سے آلاسکا تک: امن کے لیے فیصلہ کن قدم – تحریر: شاہد گھمن

دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں روس اور امریکہ ایک بار پھر عالمی منظرنامے پر توجہ کا مرکز بننے جا رہی ہیں، 15 اگست کو آلاسکا میں ہونے والی روسی صدر ولادیمیر پوتن اور امریکی صدر

ڈونلڈ ٹرمپ کی ملاقات نہ صرف دونوں ممالک کے مستقبل تعلقات کے لیے بلکہ عالمی امن اور استحکام کے لیے بھی اہم سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ ملاقات ایسے وقت پر ہو رہی ہے جب یوکرین کے بحران، توانائی کے مسائل، اور جغرافیائی سیاسی کشیدگی نے عالمی سیاست کو الجھا کر رکھ دیا ہے، اس تاریخی موقع کی اہمیت اور ممکنہ نتائج پر نظر ڈالنا ناگزیر ہے۔

روس اور امریکہ کے تعلقات سرد جنگ کے بعد سے ہی تناؤ کا شکار ہیں، مگر حالیہ برسوں میں یہ کشیدگی انتہا کو پہنچی ہے، یوکرین میں روس کے فوجی آپریشن، نیٹو کی توسیع اور معاشی پابندیوں نے دونوں ممالک کے درمیان سیاسی فاصلے کو بڑھا دیا ہے، اس دوران دونوں ممالک کی قیادت میں سخت بیانات اور الزامات کا تبادلہ بھی جاری رہا، جس سے عالمی سطح پر عدم استحکام کی فضا مزید بھڑکی۔

یوکرینی صدر ولادیمیر زیلنسکی نے اس ملاقات پر رد عمل دیتے ہوئے واضح اعلان کیا ہے کہ وہ مذاکرات میں براہِ راست شمولیت چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یوکرینی عوام اپنی سرزمین

تحفے میں نہیں دیں گے، زیلنسکی نے یہ بھی کہا کہ اگر ٹرمپ اور پوتن امن کے کسی فارمولے پر غور کر رہے ہیں تو اس میں یوکرین کی مرضی اور سلامتی اولین ترجیح ہونی چاہیئے۔

روسی صدر ولادیمیر پوتن کا موقف اس کے برعکس ہے، ان کا کہنا ہے کہ روس نے اپنے اقدامات قومی سلامتی اور تاریخی حقائق کے تحت کیے ہیں، پوتن نے زور دیا کہ روس ہمیشہ مذاکرات کا حامی ہے، لیکن کسی بھی امن معاہدے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مغربی ممالک روس کے سکیورٹی خدشات کو سنجیدگی سے لیں، ان کے مطابق امن اسی وقت ممکن ہے جب یوکرین غیرجانبدار ریاست کا درجہ اختیار کرے اور روس کے خلاف نیٹو کے کسی بھی ممکنہ خطرے کا خاتمہ ہو۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے بھی ماسکو سمٹ سے قبل بیانات میں کہا ہے کہ ان کی کوشش عالمی جنگ کے خطرے کو کم کرنا اور ایک ایسا روڈ میپ تیار کرنا ہے جو تمام فریقین کے لیے قابلِ قبول ہو، ٹرمپ کا کہنا ہے کہ وہ ڈیل میکر ہیں اور یہ ملاقات دنیا کو ایک نیا امن معاہدہ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

صدر پوتن اور ٹرمپ کی ملاقات میں سٹریٹجک ہتھیاروں میں کمی، توانائی کے عالمی بحران کا حل اور دو طرفہ تجارتی تعلقات کی بحالی بھی اہم موضوعات ہیں جن پر غور کیا جائے گا، عالمی ماہرین کے مطابق، اگرچہ یہ ملاقات پرانے تنازعات کا فوری حل پیش نہیں کر سکتی، مگر یہ دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات کا ایک اہم آغاز ضرور ہو سکتی ہے۔

دنیا بھر کے سیاسی حلقے اور تجزیہ کار اس ملاقات کو بڑے غور و خوض کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، ایک طرف اسے عالمی امن کے لیے ایک نئی امید کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، تو دوسری جانب ایسے خدشات بھی ہیں کہ یہ محض ایک نمائشی اجلاس ہو سکتا ہے جس کا کوئی عملی نتیجہ نہ نکلے۔ خاص طور پر یوکرین کے حوالے سے روس اور امریکہ کی پالیسیوں میں بنیادی اختلافات ابھی بھی برقرار ہیں، جو اس ملاقات کے نتیجہ خیز ہونے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

15 اگست کو آلاسکا میں ہونے والی یہ ملاقات تاریخی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے، اور اس کے نتائج عالمی سیاست کے توازن پر گہرے اثرات مرتب کر سکتے ہیں، اگر دونوں رہنما آپس میں کھل کر بات چیت کرنے اور اختلافات کو کم کرنے کی سنجیدہ نیت رکھتے ہیں تو یہ

ملاقات عالمی امن اور تعاون کے نئے دور کا آغاز ہو سکتی ہے، بصورت دیگر، یہ محض ایک علامتی واقعہ رہ جائے گا جو پرانے تنازعات اور اختلافات کی گہرائی کو مزید بڑھائے گا۔

عالمی برادری کی نظریں اب الاسکا پر جمی ہیں، جہاں دو عالمی طاقتیں اپنے مستقبل کے تعلقات کا فیصلہ کرنے جارہی ہیں، اس ملاقات کا دارومدار دونوں رہنماں کی حکمت عملی، سنجیدگی، اور سیاسی ارادوں پر ہے کہ وہ دنیا کو امن، استحکام، اور ترقی کی راہ پر لے جا سکیں۔

کالم 21

برکس برائے چین: مغرب کی بالادستی سے گریز

تاریخِ اشاعت: 4 اگست 2023

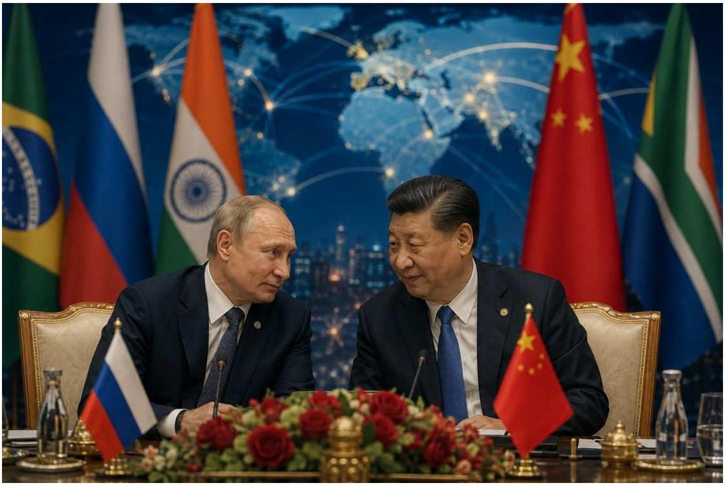

گزشتہ چند برسوں میں ہونے والی عالمی ہلچل اس حقیقت کا باعث بنی ہے کہ مغرب کی پالیسیوں سے پریشان بہت سے ممالک نے بظاہر برکس میں کوئی ایسا متبادل تلاش کرنا شروع کر دیا ہے جو امریکہ کی بالادستی کو کمزور کرے گا اور ایک منصفانہ عالمی نظام کی تعمیر میں آگے

بڑھے گا۔ چین، جس نے 2022 میں برکس کی صدارت کی تھی، اپنے آپ کو گروپ کے سب سے زیادہ فعال ارکان میں سے ایک کے طور پر پیش کر رہا ہے، جس میں اس وقت برازیل، روس، بھارت اور جنوبی افریقہ بھی شامل ہیں۔

بیجنگ برکس کو موجودہ متعدد ورکنگ میکانزم کے ذریعے اپنے رکن ممالک کے ساتھ تعاون مضبوط بنانے کے لیے ایک آسان پلیٹ فارم کے طور پر دیکھتا ہے۔ چین نے سرکاری سطح پر برکس کی توسیع کے امکانات کا بارہا مثبت جائزہ لیا ہے اور نئے رکن ممالک کی شمولیت کے معاملے پر ایسوسی ایشن کے دیگر ارکان کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے اپنی تیاری کا اظہار کیا ہے۔ 6 فروری کو چینی وزارت خارجہ کی ترجمان ماؤ ننگ نے بیجنگ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تصدیق کی کہ چینی حکام برکس کی توسیع کی حمایت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ایسوسی ایشن کے رکن ممالک کے درمیان مالی اور اقتصادی تعاون کا ان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چین رواداری کا موقف اپناتے ہوئے بات چیت اور مشاورت کے ذریعے مشترکہ طور پر نئے برکس ارکان کو شامل کرے گا۔

حالیہ برسوں میں برکس ممالک نے مشترکہ مالیاتی اور اقتصادی تعاون کے ساتھ ساتھ مالیاتی شعبے میں نمایاں پیش رفت کی ہے۔ یہ مجموعی طور پر ایسوسی ایشن کے رکن ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ماؤننگ نے مزید کہا کہ الجزائر، ارجنٹائن اور ایران پہلے ہی برکس میں شمولیت کے لیے اپنی درخواستیں جمع کرا چکے ہیں۔ سعودی عرب، ترکی اور مصر نے بھی ایسوسی ایشن کی رکنیت میں اپنی دلچسپی کا اعلان کیا ہے۔

بیجنگ برکس ممالک سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ نہ صرف برکس کی تشکیل کو بڑھانے کے لیے کام کریں بلکہ دیگر بین الاقوامی تنظیموں، خاص طور پر شنگھائی تعاون تنظیم کے ساتھ ہم آہنگی کو مضبوط کریں۔ اس موقف کا اظہار گزشتہ سال نومبر میں چین کے وزیر خارجہ وانگ یی نے چین میں روس کے سفیر ایگور مورگولوف کے ساتھ بیجنگ میں ایک ملاقات میں کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ علاقائی اور عالمی امن و استحکام کے تحفظ کے لیے شنگھائی تعاون تنظیم اور برکس ممالک کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ اس کے

ساتھ ہی برکس کی توسیع کے بارے میں بات کرتے ہوئے چین ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس سے عالمی سطح پر ایسوسی ایشن کی پوزیشن مضبوط ہوگی اور ایک منصفانہ عالمی نظام کی تعمیر کی جدوجہد میں ترقی پذیر ممالک کی کوششوں کو تقویت ملے گی۔ برکس ممالک نے ایک مشترکہ کرنسی کے قیام کے لیے تجاویز پیش کرنا شروع کی ہیں، جو مستقبل میں عالمی سطح پر ڈالر کی بالادستی کم کرنے میں کردار ادا کر سکتی ہیں۔

روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاوروف پہلے کہہ چکے ہیں کہ برکس کی اپنی کرنسی بنانے کے موضوع پر ایسوسی ایشن کے سربراہی اجلاس میں بات کی جائے گی، جو اگست 2023 کے آخر میں منعقد ہوگا۔ ان کے بقول سنجیدہ اور خوددار ممالک اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ کیا خطرہ ہے۔ روسی وزارت خارجہ کے سربراہ نے موجودہ بین الاقوامی مالیاتی نظام کے مالکان کی عدم گفت و شنید کی طرف اشارہ کیا، جس کے باعث پائیدار ترقی یقینی بنانے کے لیے ایسے میکانزم بنانا ضروری ہے جو بیرونی حکم ناموں سے محفوظ ہوں۔ اس منصوبے پر

برکس ممالک کی طرف سے سرگرمی سے بات چیت کی جا رہی ہے، لیکن چین ابھی تک اس معاملے پر سرکاری طور پر اپنا موقف بیان کرنے میں جلدی نہیں کر رہا۔

حالیہ برسوں میں چین اور ایسوسی ایشن کے ممالک کے درمیان قومی کرنسیوں میں علاقائی تجارت کے دوران چینی یوآن کے کردار میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ماہرین اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ برکس ممالک کے ساتھ چین کی تجارت کے حجم کو دیکھتے ہوئے یوآن ہی دراصل ایسوسی ایشن میں ایک قسم کی مشترکہ کرنسی بن گیا ہے۔ یوآن کا کردار روس اور دیگر کئی ممالک کے خلاف متعدد پابندیوں کے پس منظر میں بھی بڑھ رہا ہے، کیونکہ یہ ممالک مغرب کے بنائے ہوئے مالیاتی نظام کے کنٹرول سے باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود چین اب بھی ایک واحد برکس کرنسی بنانے کے اقدام کی کھلی حمایت نہیں کرتا، لیکن اس کی مخالفت بھی نہیں کرتا۔

بظاہر بیجنگ اب بھی خطرات کا اندازہ لگا رہا ہے اور اس اقدام کو اپنے مالی اور قومی مفادات کے ساتھ ہم آہنگ کر رہا ہے۔ مغرب کے سب سے بڑے مارکیٹ پارٹنرز کے

ساتھ تجارت میں ڈالر کی مسلسل اہمیت بھی پیش نظر ہے۔ برکس ممالک کے قائم کردہ نیو ڈیولپمنٹ بینک، جس کا صدر دفتر شنگھائی میں ہے، نے بھی ایسوسی ایشن کی واحد کرنسی بنانے کے معاملے پر تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ اب تک چین، جو دیگر برکس ممالک کی طرح اپنے مالیاتی نظام کی ڈالر سے زیادہ آزادی کے لیے کھڑا ہے، قومی کرنسیوں میں تجارت کو وسعت دینے کی راہ پر گامزن ہے۔ بیجنگ خاص طور پر ماسکو اور نئی دہلی کے ساتھ اس شعبے میں فعال تعاون کر رہا ہے۔

کسی بھی صورت میں کلیدی مسئلہ برکس کی مشترکہ کرنسی یا علاقائی تجارت میں ڈالر سے قومی کرنسی میں منتقلی نہیں بلکہ پورے عالمی مالیاتی نظام میں تبدیلی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب کی طرف سے قائم ہونے والے نظام نے بنیادی طور پر متعدد بین الاقوامی ڈھانچوں اور تنظیموں کے ذریعے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کی خدمت کی۔ عالمی تاریخ میں ایسے نظام کی ٹوٹ پھوٹ ہمیشہ ہنگاموں اور تنازعات کے ذریعے ہوئی ہے۔ اس لیے چین احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ وہ شاید مغرب کے اہم تجارتی شراکت داروں

کے ساتھ تعلقات میں تیزی سے بگاڑ نہیں چاہتا، بلکہ کم سے کم نقصان کے ساتھ جیتنے والوں میں شامل ہونے اور وقت آنے پر فیصلہ کن اقدامات کرنے کی بھرپور تیاری کر رہا ہے۔

کالم 22

مغربی پابندیاں روسی معیشت کو تباہ کرنے میں ناکام، آخر کیوں؟

تاریخِ اشاعت: 7 جولائی 2023

مغرب کا خیال تھا کہ روس کی جانب سے یوکرین میں فوجی آپریشن کے بعد روس پر پابندیاں لگا کر روسی معیشت کو تباہ کر دیا جائے، لیکن یہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوا۔ روس

کی مثبت پالیسیوں اور بروقت منصوبہ بندی نے اس کی معیشت کو پہلے سے مضبوط کر دیا ہے۔ ماسکو طویل عرصے سے پابندیوں کے دباؤ کا عادی رہا ہے۔ یورپی یونین اور امریکہ نے 2014 سے روس پر پابندیاں لگانا شروع کی تھیں، تاہم یہ دباؤ گزشتہ سال ایک نئی سطح پر پہنچ گیا جب صدر پوتن نے یوکرین میں فوجی آپریشن کا آغاز کیا۔ روس کو ایران سے بھی آگے دنیا کا سب سے زیادہ پابندیوں والا ملک بنا دیا گیا۔ ماسکو کو گزشتہ سال فروری سے اب تک صرف برسلز سے دس پابندی پیکیجز کا سامنا کرنا پڑا، پھر بھی یہ اقدامات روسی معیشت کو مفلوج کرنے کے لیے کافی ثابت نہیں ہوئے۔

مغربی حکام نے اعتراف کیا ہے کہ روسی حکومت کی جانب سے پابندیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کیے گئے فیصلوں نے مشکل ماحول کے باوجود ملک کی مالیاتی بنیاد برقرار رکھنے میں مدد دی۔ یوکرین میں فوجی کارروائی شروع کرنے کے بعد روس نے خود کو نمایاں طور پر زیادہ دباؤ میں پایا۔ اس کی توقع کی جا سکتی تھی، کیونکہ مغربی ممالک نے خبردار کیا تھا کہ اگر ماسکو نے اپنے پڑوسی کے خلاف فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا تو اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ روس کے

یوکرین میں فوجی آپریشن شروع کرتے ہی 24 گھنٹے کے اندر پہلی پابندیاں لگا دی گئیں، پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور اب تک جاری ہے۔

روسی مالیاتی نظام کے تحفظ کے لیے بہت سے اقدامات دراصل فوجی آپریشن کے آغاز سے بہت پہلے کیے گئے تھے۔ روس کی بین الاقوامی امور کی کونسل میں پروگراموں کے ڈائریکٹر ایوان تیموفیف نے وضاحت کی کہ جب روس میں ویزا اور ماسٹر کارڈز نے کام بند کر دیا اور بینکوں کی طرف سے لین دین پر پابندیاں عائد ہوئیں تو اسے زبردست دھچکا لگ سکتا تھا۔ مگر روسی معیشت کو طوفان کا سامنا کرنے کی طاقت 2015 میں روس کے مرکزی بینک اور وزارت خزانہ کے ذریعے آزاد قومی ادائیگی کے نظام "میر" کی تشکیل سے ملی۔ یہی وجہ ہے کہ خصوصی فوجی آپریشن کے آغاز کے بعد غیر ملکی ادائیگی کے نظام کی روانگی نے روسی مالیاتی شعبے کو کمزور نہیں کیا۔ ایک جھٹکا ضرور آیا، مگر یہ بہت قلیل مدتی تھا اور جلد ہی اس پر قابو پا لیا گیا۔

ایک اور اہم عنصر، جس نے روسی معیشت کی مدد کی، مرکزی بینک کی طرف سے روبل کو سہارا دینے کے لیے اٹھائے گئے اقدامات تھے۔ مغربی پابندیوں کے جواب میں غیر ملکی کرنسی اور اسٹاک مارکیٹوں میں نمایاں اتار چڑھاؤ کے بعد روسی کرنسی مارچ 2022 میں ڈالر کے مقابلے میں تقریباً 120.5 روبل کی ریکارڈ کم ترین سطح پر پہنچ گئی تھی۔ 28 فروری کو مرکزی بینک نے مطالبہ کیا کہ روسی برآمد کنندگان اپنی غیر ملکی کرنسی کا 80 فیصد فروخت کر کے اسے روبل میں تبدیل کریں اور یوں روبل پر دباؤ کم کیا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تجربہ پہلے بھی کیا جا چکا تھا۔

1991 میں غیر ملکی کرنسی کے اخراج کو روکنے کے لیے یہ اقدام متعارف کرایا گیا تھا اور تقریباً ایک دہائی تک نافذ رہا۔ صدر پوتن نے روسی کرنسی کی بیرون ملک منتقلی روکنے کے لیے 2 مارچ کو 10 ہزار ڈالر فی شخص، یا اس کے مساوی غیر ملکی کرنسی، کی حد عائد کرتے ہوئے ملک سے باہر لے جانے والی نقدی کی مقدار بھی محدود کر دی۔ تیل اور قدرتی گیس کی بلند قیمتوں کے ساتھ ساتھ گزشتہ سال گرتی ہوئی درآمدات کے نتیجے میں روسی مقامی مارکیٹ میں غیر ملکی

کرنسی کا غیر معمولی سیلاب آیا، جس نے روبل کو سہارا دیا۔ نتیجتاً ڈالر جون تک 50.1 روبل کی سات سال کی کم ترین سطح پر پہنچ گیا۔

تیل کی قیمتوں اور قدرتی گیس کی برآمدات میں کمی کے بعد زرمبادلہ کی متعدد پابندیاں ہٹا دی گئیں، جس کی وجہ سے دسمبر میں روبل کی قدر میں کمی واقع ہوئی۔ تبادلے کی شرح سال کے آخر تک ڈالر کے مقابلے میں 73.8 روبل تک پہنچ گئی تھی اور اب یہ 72 سے 77 روبل کے درمیان رہ گئی ہے۔

جنوری میں روسی وزارت خزانہ نے مالیاتی اصول نافذ کرنے اور تیل و گیس سے بجٹ کی گرتی ہوئی آمدنی کی تلافی کے لیے زرمبادلہ کی مارکیٹ میں قدم رکھا۔ وزارت کے خزانے میں موجود فنڈز رواں سال روبل کو مستحکم رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ 28 فروری 2022 کو روس کے مرکزی بینک نے بڑھتے ہوئے فرسودگی اور افراط زر کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کلیدی شرح سود 9.5 سے بڑھا کر 20 فیصد کر دی۔ اس فیصلے کے بعد بینکوں نے ڈپازٹس اور قرضوں پر سود کی شرح بڑھانا شروع کی۔ صدر پوتن نے بینکوں کو ہدایت کی کہ مرکزی بینک کے

فیصلے سے قبل دستخط کیے گئے تمام معاہدوں میں شرح سود محفوظ رکھی جائے۔ تاہم بڑھتی ہوئی شرح سود نے چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباروں کو متاثر نہیں کیا، کیونکہ مارچ میں ان کمپنیوں کو خصوصی قرضے دیے گئے جو سرکاری شرح پر منحصر نہیں تھے۔

اگست میں وزیر اعظم میخائل مشوستین نے کاروبار کی ترقی کے لیے 3 سے 4.5 فیصد سبسڈی کا اعلان کیا اور قرض کی مدت دس سال تک کر دی۔ اس کے ساتھ مارچ 2022 سے ٹیکس دفاتر نے ان کمپنیوں کے خلاف دیوالیہ پن کا مقدمہ دائر نہیں کیا جن پر ٹیکس اور فیس واجب الادا تھیں۔ روسی حکومت نے چھوٹی کاروباری کمپنیوں کے لیے کئی شرائط میں نرمی بھی کی، جس سے روسیوں کو بے روزگاری سے بچنے کا موقع ملا۔ صرف ایک سرکاری پروگرام کے تحت 4 لاکھ 40 ہزار ملازمتیں بچائی گئیں۔ نتیجتاً 2022 کی تیسری سہ ماہی میں غربت میں رہنے والے روسیوں کی تعداد کم ہو کر 15.3 ملین رہ گئی۔

بہت سے ماہرین اقتصادیات کا خیال ہے کہ پابندیوں کے دباؤ کے دوران "متوازی درآمدات" کے نظام نے روسی معیشت برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ روسی حکومت

نے متعلقہ ٹریڈ مارک مالکان کی رضامندی کے بغیر ملک میں غیر ملکی ساختہ مصنوعات کی مخصوص اقسام درآمد کرنے کی اجازت دی۔ روسی قانون کے تحت سرکاری ڈسٹری بیوشن چینلز کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان مصنوعات کو درآمد کرنا اب مزید قابل سزا نہیں رہا۔ روسی سرحد پر چیک پوسٹوں پر اضافی معائنہ مراکز قائم کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اس کے علاوہ 300 بارڈر کراسنگز کی مرمت تیز کرنے اور ان کی صلاحیت بڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔

ہائی ٹیک کمپنیوں کو اگلے تین سال تک انکم ٹیکس ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور حکومتی ریگولیٹرز کے معائنے پر پابندی ہے۔ آئی ٹی کاروباری کمپنیاں اب صرف 3 فیصد سالانہ کے حساب سے قرض لے سکتی ہیں۔ اس اقدام کا مقصد کم از کم 75 ڈیجیٹل تبدیلی کے منصوبوں کے نفاذ کی حوصلہ افزائی اور سہولت فراہم کرنا ہے۔ روسی ماہرین کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی پابندیوں نے روسی معیشت پر منفی اثر ضرور ڈالا، لیکن ملک دباؤ سے نمٹنے میں کامیاب رہا۔ یہ بہت مشکل ہے کہ پابندیوں کی وجہ سے روسی معیشت تباہ ہو جائے۔ مغربی طاقتیں روسی

معیشت کے دیگر شعبوں، مثلاً توانائی، پر مزید پابندیاں لگا سکتی ہیں، لیکن کچھ سرخ لکیریں ایسی ہیں جنہیں عبور کرنے سے خود مغرب کے لیے مسائل پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے۔

کالم 23

روس میں نام نہاد "انصاف مارچ"

تاریخِ اشاعت: 30 جون 2023

روس میں مسلح فوجی بغاوت—یہ وہ خبر تھی جو 23 اور 24 جون کو دنیا بھر کے میڈیا کی ہیڈ لائن بن گئی۔ امریکہ سمیت مغربی ممالک کی نظریں روس پر مرکوز ہو گئیں اور وہ اپنے مخالف ملک کے اندر خانہ جنگی اور خون ریزی دیکھنے کے لیے بے تاب رہے، کیونکہ یہ ایک ایسا موقع

تھا جب تقریباً ڈیڑھ سال سے روس اپنے ہمسایہ ملک یوکرین میں فوجی آپریشن کر رہا تھا۔ نیٹو، یورپ، برطانیہ اور امریکہ یوکرین کے ساتھ کھڑے تھے اور روس اکیلا ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ان ممالک نے روس پر تاریخ کی بدترین پابندیاں عائد کر دی تھیں، مگر اس کے باوجود روسی معیشت مضبوطی سے کھڑی تھی۔

یو گینی پریگوزن کی مسلح فوجی بغاوت نے مخالفین میں امید کی کرن جگا دی، کیونکہ انہیں ویگنر گروپ کی طاقت کا اندازہ تھا، جس نے باخموت کو اپنے زور بازو سے یوکرین سے چھین کر روسی فوج کے حوالے کیا۔ اسی لیے صدر بائیڈن نے بھی روس میں مسلح بغاوت پر نظریں جما لیں۔

ویگنر پی ایم سی گروپ ایک روسی نیم فوجی تنظیم ہے جس کی کوئی واضح قانونی حیثیت نہیں۔ سیدھے الفاظ میں یہ ایک چھوٹی فوج ہے جس کا سرکاری طور پر روسی فیڈریشن کی وزارت دفاع یا کسی اور ریاستی ڈھانچے سے تعلق نہیں۔ یہ ایک نجی کمپنی ہے جس کا سربراہ

یو گینی پریگوزن تھا۔ برطانوی وزارت دفاع نے چند ماہ قبل کہا تھا کہ ویگنر گروپ یوکرین میں تقریباً 50 ہزار جنگجوؤں کی کمان کر رہا ہے۔

23 جون کو یو گینی پریگوزن نے اپنے ٹیلی گرام چینل پر کچھ ویڈیو پیغامات جاری کیے، جن میں اس کا کہنا تھا کہ روسی وزارت دفاع کے یونٹوں نے مبینہ طور پر پی ایم سی کیمپ پر راکٹ فائر کیے اور اس کے کئی جنگجو مارے گئے۔ پریگوزن نے روسی وزیر دفاع سرگئی شوئیگو اور روسی چیف آف جنرل اسٹاف ویلری گراسیموف پر سنگین جرائم کا الزام عائد کیا، جبکہ روسی وزارت دفاع نے فوری طور پر اس اطلاع کی تردید کر دی۔ پریگوزن کی پریس سروس کی طرف سے شائع ہونے والی کیمپ کی ویڈیو سے بھی یہ واضح نہیں تھا کہ راکٹ حملے ہوئے تھے یا نہیں۔

اگلی صبح، ہفتہ کے روز، پریگوزن نے اعلان کیا کہ ویگنر کے 25 ہزار جنگجو ماسکو کی جانب "انصاف مارچ" کریں گے۔ پریگوزن اور اس کے گروپ نے ماسکو سے تقریباً 1100 کلومیٹر دور دس لاکھ سے زائد آبادی والے شہر روستوف آن ڈان میں روس کے جنوبی ملٹری ڈسٹرکٹ

کے ہیڈکوارٹر اور شہر کے مرکز میں کئی انتظامی عمارتوں پر قبضہ کر لیا۔ گروپ کا ایک حصہ روستوف آن ڈان میں رہا اور باقی نے ماسکو کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔

اس دوران یوکرین کے ایک انگریزی آن لائن نیوز پورٹل "دی کیف انڈپنڈنٹ" نے روسی صدر ولادیمیر پوتن کے لاپتا ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ پوتن ملک چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ یوں دنیا بھر کے میڈیا کی نظریں روس پر مرکوز ہو گئیں اور ہر کوئی اپنی قیاس آرائیوں کو بریکنگ نیوز کی صورت میں پیش کرتا رہا۔

اس صورت حال کے پیش نظر روسی صدر ولادیمیر پوتن نے ٹیلی وژن پر ہنگامی خطاب کیا۔ صدر پوتن نے ویگنر پی ایم سی کے اقدامات کو ملک اور لوگوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا۔ انہوں نے جنگجوؤں پر زور دیا کہ وہ اپنا ذہن بدل لیں اور مسلح افواج کو حکم دیا کہ مسلح بغاوت منظم کرنے والوں کو کچل دیں۔

روس کی ایف ایس بی ایجنسی نے صورت حال کی سنگینی اور روسی فیڈریشن میں تصادم بڑھنے کے خطرے کے پیش نظر یو گینی پریگوزن کی جانب سے مسلح بغاوت کی کال پر

فوجداری مقدمہ قائم کر دیا، جس کی روسی قانون میں سزا 20 سال ہے۔ ترکی اور چین نے اس دوران روس کے ساتھ کھڑے ہونے کا اعلان کیا، جبکہ چیچنیا کے صدر رمضان قادروف نے بغاوت کچلنے کے لیے اپنی فورسز فوری طور پر روستوف آن ڈان بھیج دیں۔

صدر پوتن کے خطاب کے بعد بیلاروس کے صدر الیگزینڈر لوکاشینکو نے ویگنر کے سربراہ پریگوزن کے ساتھ مذاکرات شروع کیے۔ یہ مذاکرات دن بھر جاری رہے اور ویگنر گروپ کی ماسکو کی جانب پیش قدمی بھی جاری تھی۔ چونکہ صدر پوتن نے مسلح بغاوت کچلنے کا اعلان کیا تھا، اس لیے تصادم کا خطرہ تھا اور یقیناً پریگوزن اور اس کے ساتھیوں کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑ سکتے تھے۔

بیلاروسی صدر نے درمیانی راستہ نکالا اور آخرکار مذاکرات کامیاب ہوئے۔ یو گینی پریگوزن نے بیلاروس کے صدر الیگزینڈر لوکاشینکو کی روس میں ویگنر کمپنی کے مسلح افراد کی نقل و حرکت روکنے اور کشیدگی کم کرنے کی تجویز قبول کر لی اور ماسکو کی جانب پیش قدمی روک دی۔

ان مذاکرات کے بعد پریگوزن نے ایک آڈیو پیغام جاری کیا، جس میں کہا کہ اس کی فورسز ماسکو سے صرف 200 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں، لیکن انہیں واپس جانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: "ہم اپنے فوجی دستوں کا رخ موڑ کر منصوبے کے مطابق فیلڈ کیمپوں میں واپس جا رہے ہیں۔" اس نے اپنے فوجی دستوں کو اڈوں پر واپس جانے کی ہدایات جاری کیں، جس کے بعد ویگنر کے جنگجو کیمپوں میں واپس جانا شروع ہو گئے۔ یوں 24 گھنٹے میں یہ نام نہاد "انصاف مارچ" ختم ہوا اور مسلح بغاوت دم توڑ گئی۔

اس کے بعد بیلاروسی صدر لوکاشینکو نے بھی مذاکرات کامیاب ہونے اور ویگنر جنگجوؤں کی واپسی کی تصدیق کر دی اور صدر پوتن کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ روسی صدر کے ترجمان دیمتری پیسکوف نے بتایا کہ ویگنر گروپ کے جنگجوؤں نے روستوف آن ڈان میں روس کا فوجی ہیڈکوارٹر خالی کر دیا ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ویگنر گروپ کے سربراہ پریگوزن کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا جائے گا بلکہ فوجداری مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔

ان کا کہنا تھا کہ جن جنگجوؤں نے روس کے خلاف پریگوزن کے احکامات ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے خلاف بھی کارروائی نہیں ہوگی بلکہ ان کی کارکردگی سراہتے ہوئے ان کا روسی وزارت دفاع کے ساتھ معاہدہ کرکے باضابطہ طور پر روسی فوج میں شامل کر لیا جائے گا۔ دیمتری پیسکوف کے مطابق معاہدے کے تحت یو گینی پریگوزن بیلاروس چلے جائیں گے اور بغاوت میں شریک دیگر افراد کو حفاظتی ضمانتیں دی جائیں گی۔

تادم تحریر صدر پوتن نے کہا کہ ویگنر گروپ کے جنگجوؤں اور کمانڈروں کی بھاری اکثریت روسی محب وطن ہے، اس لیے بحران کے حل کے لیے مذاکرات کے دوران کیا گیا وعدہ برقرار رکھا جائے گا۔ انہوں نے ویگنر گروپ کے جنگجوؤں کو تین راستے دیے: روسی فوج سے معاہدہ کرکے فوج میں شامل ہو جائیں، اپنے گھر واپس چلے جائیں یا بیلاروس چلے جائیں۔ روس میں حالات اس وقت معمول پر ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، لیکن روس کے مخالفین کی امیدیں ضرور دم توڑ گئی ہیں۔

کالم 24

پاک روس تعلقات، نئی راہیں نئی جہتیں

تاریخِ اشاعت: 17 جون 2023

روس اور پاکستان کے درمیان سفارتی تعلقات یکم مئی 1948 کو نیویارک میں سوویت یونین کے اس وقت کے روسی اور پاکستانی وزرائے خارجہ کے درمیان طے پانے والے ایک معاہدے کے نتیجے میں قائم ہوئے۔ اس کے بعد جلد ہی ماسکو اور کراچی میں پاکستان اور

سوویت یونین کے سفارت خانوں نے کام شروع کر دیا۔ سرد جنگ کے دور کی بین الاقوامی سیاست کی وجہ سے پاکستان اور سوویت یونین کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ آیا۔ 1980 کی دہائی میں افغانستان میں ہونے والے ہنگامہ خیز اور مشکل واقعات، جن میں دونوں ممالک شامل تھے، سوویت یونین اور پاکستان کے تعلقات پر منفی اثر چھوڑے بغیر نہ رہ سکے۔

2003 میں سابق صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے روسی صدر کی دعوت پر روس کا ایک کامیاب سرکاری دورہ کیا، جس میں دوطرفہ باہمی دلچسپی کے امور پر کامیاب بات چیت ہوئی اور بہت سے معاشی و تجارتی معاہدوں اور یادداشتوں پر دستخط بھی ہوئے۔ سابق وزیر اعظم پاکستان عمران خان نے 5 نومبر 2018 کو چائنا انٹرنیشنل امپورٹ ایکسپو کے موقع پر روسی فیڈریشن کے وزیر اعظم دیمتری میدویدیف سے ملاقات کی۔ سابق وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف سے دو بار ملاقات کی۔ پہلی ملاقات ستمبر 2018 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 73 ویں اجلاس کے موقع پر نیویارک میں ہوئی۔

اس کے بعد انہوں نے ماسکو میں 26 دسمبر 2018 کو روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف سے ملاقات کی۔ فروری 2022 میں سابق وزیر اعظم عمران خان نے روس کا تین روزہ دورہ کیا۔

عمران خان سے پہلے روس کا دورہ کرنے والے آخری پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف تھے، جنہوں نے 1999 میں روس کا دورہ کیا تھا، جبکہ سابق صدر آصف علی زرداری نے 2011 میں ماسکو کا دورہ کیا۔ عمران خان کا دورہ ماسکو بڑی اہمیت کا حامل سمجھا جا رہا تھا۔ ان کی روسی صدر ولادیمیر پوتن سے ملاقات ہوئی، جس میں دوطرفہ تعلقات کے تمام پہلوؤں پر بات چیت کی گئی اور توانائی، اقتصادی و تجارتی شعبوں میں تعاون کے فروغ پر گفتگو ہوئی۔ عمران خان کے دورہ ماسکو کے دوران ہی روس نے یوکرین میں فوجی آپریشن کا آغاز کر دیا، جبکہ پاکستان واپس جاتے ہی عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی گئی۔ اس کے نتیجے میں ان کی حکومت ختم ہوگئی اور وہ دورہ ماسکو کے ثمرات سے محروم رہ گئی۔ یوکرین میں روس کے فوجی آپریشن کے بعد روس نے بیشتر مغربی ممالک کو غیر دوست قرار

دے کر تعلقات محدود کر دیے۔ اب روس ایشیائی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات مزید مستحکم کرنے کا خواہاں ہے۔

روس کے یوکرین میں فوجی آپریشن سے پہلے دونوں ممالک کے درمیان دوطرفہ تجارت مسلسل بڑھ رہی تھی۔ روس میں پاکستان کی مصنوعات، مثلاً کاٹن، ٹیکسٹائل، چمڑا، چاول، پھل، آلات جراحی اور کھیلوں کے سامان کی مانگ میں اضافہ ہو رہا تھا، جبکہ پاکستان روس سے کھاد، ربڑ، ٹائر، کاغذ، لوہا، اسٹیل اور مشینری وغیرہ درآمد کر رہا تھا۔ لیکن روس پر مغربی پابندیوں اور پاکستان کی موجودہ صورت حال کی وجہ سے باہمی تجارت میں کمی واقع ہوئی۔ روس پاکستان کے ساتھ تعلقات مزید مستحکم کرنے کا خواہشمند ہے۔ روسی قونصل خانے کے سیاسی و معاشی امور کے افسر دیمتری پیتروف نے کہا کہ پاکستان اور روس کے درمیان تجارت کے بےپناہ مواقع موجود ہیں اور روس کی مدد سے پاکستان معاشی بحران سے نکل سکتا ہے۔ روس کو توانائی کا سپر پاور کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے پاس تیل اور گیس کے وسیع

ذخائر ہیں۔ سعودی عرب کے بعد روس خام تیل برآمد کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے اور مغربی یورپ اپنی توانائی کی ضروریات کے لیے روس پر انحصار کرتا رہا ہے۔

یوکرین میں فوجی آپریشن سے پہلے یورپی یونین کے رکن ممالک روس سے 22 لاکھ بیرل یومیہ تیل اور 12 لاکھ بیرل یومیہ دیگر پیٹرولیم مصنوعات درآمد کرتے تھے۔ یوکرین کے راستے مغربی ممالک کو روس کی جانب سے گیس کی بھاری سپلائی اس کے علاوہ تھی۔ یوکرین میں فوجی آپریشن کی وجہ سے اب روس کو یورپی ممالک کی بجائے مشرقی ممالک سے رجوع کرنا پڑ رہا ہے۔ چین اور بھارت اپنی بڑھتی ہوئی صنعتی ضروریات کے لیے روسی تیل اور گیس کے بڑے خریدار ہیں۔ بھارت انتہائی سستے داموں روس سے پیٹرولیم مصنوعات خرید رہا ہے۔

پاکستان کی پی ڈی ایم حکومت نے بھی روس سے سستے داموں پیٹرولیم مصنوعات خریدنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے وزیر مملکت برائے پیٹرولیم مصدق ملک نے نومبر 2022 میں وفد کے ہمراہ ماسکو کا دورہ کیا۔ جنوری 2023 میں پاکستان اور روس کے درمیان

خام تیل، پیٹرولیم مصنوعات اور گیس کی خریداری پر بات چیت کے لیے روسی وزیر توانائی کی سربراہی میں 80 رکنی اعلیٰ سطحی وفد پاکستان پہنچا اور پیٹرولیم مصنوعات سمیت دیگر اہم معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔

30 جنوری کو وزیر خارجہ بلاول بھٹو زرداری کے دورہ ماسکو میں روس نے پاکستان کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ بلاول بھٹو زرداری نے روسی ہم منصب سرگئی لاوروف کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ پاکستان کو توانائی کی قلت کا سامنا ہے، امید ہے کہ ان کے روس کے دورے میں اس سلسلے میں مثبت پیش رفت ہوگی اور دوسرے ممالک روس کے ساتھ باہمی تعلقات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

کچھ مبصرین کے خیال میں پاکستان اور روس کے درمیان توانائی کی خرید و فروخت کے ایک جامع اور طویل المدت منصوبے پر عمل درآمد سے پاکستان اور چین کے درمیان سی پیک منصوبے کو تقویت ملے گی۔ اس لیے چین کی طرف سے پاکستان اور روس کے درمیان

اس سمجھوتے پر یقیناً خوشی کا اظہار کیا جائے گا۔ چین ایک بڑی طاقت بن کر ابھر رہا ہے، روس بھی بڑی طاقتوں میں سے ایک ہے اور پاکستان ایک ابھرتی ہوئی معیشت ہے۔ یہ تینوں تنہا عدم توازن کے خلا کو پر نہیں کر سکتے، لیکن اگر مل کر کام کریں اور ایک بلاک کی شکل اختیار کر لیں تو یہ خلا پُر ہو سکتا ہے اور خطے میں امن قائم رکھنے کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

کالم 25

روس، ترکی تعلقات، نفرت سے محبت تک

تاریخِ اشاعت: 8 جون 2023

روس اور ترکی کے تعلقات تاریخ کے بیشتر حصے میں کشیدہ رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان 12 جنگیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، لیکن ماسکو اور انقرہ میں آج بہت کچھ مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دونوں ملکوں کے درمیان سیاحت، تجارت، صنعت،

ثقافت اور تعمیراتی شعبوں میں تعاون فروغ پا رہا ہے۔ سیاحت ہمیشہ سے دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کا سب سے بڑا اور روایتی شعبہ رہا ہے۔ صرف 2021 میں روسی سیاحوں کے غیر ملکی دوروں کا 24.6 فیصد حصہ ترکی کے لیے تھا، جبکہ ٹریول ایجنسیوں کے مطابق روس سے پیکیج ٹورز کا تناسب 60 فیصد تک پہنچ جاتا ہے۔

روسی سیاح ہر سال استنبول کے تاریخی مقامات کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ وہ دارالحکومت انقرہ بھی جاتے ہیں اور قدیم ازمیر کے آثار قدیمہ کا دورہ کرتے ہیں۔ اہم بات یہ بھی ہے کہ ترکی اب روسی مسافروں کو یورپ لے جانے والی پروازوں کے لیے ایک ٹرانزٹ ہب بن چکا ہے، کیونکہ یورپ کی زیادہ تر منزلیں صرف ترکی کے راستے ان کے لیے قابل رسائی ہیں۔ ہوائی سفر کے اعداد و شمار کے مطابق 2022 میں روسیوں کی ترکی کے ذریعے 59 فیصد ٹرانزٹ پروازیں تھیں اور یہ تعداد 2023 میں مزید بڑھ رہی ہے۔

توانائی کے شعبے میں شراکت داری سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہے۔ باہمی طور پر منافع بخش منصوبے ماسکو اور انقرہ کے تعلقات مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ترکی

میں دو روسی گیس پائپ لائنیں، بلیو اسٹریم اور ترکش اسٹریم، پہلے ہی کام کر رہی ہیں۔ پہلی ترکی کی مقامی مارکیٹ کو توانائی فراہم کرنے کے لیے بنائی گئی، جبکہ دوسری جنوب مشرقی یورپ کو گیس برآمد کرنے کے لیے ڈیزائن کی گئی۔

روسی صدر ولادیمیر پوتن کے نئے اقدام سے ترکی توانائی کا مرکز بنتا نظر آئے گا، جسے ماسکو اپنی برآمدی صلاحیت بڑھانے کے لیے استعمال کرے گا۔ توقع ہے کہ ترکی نہ صرف توانائی کی سپلائی میں اہم کردار ادا کرے گا بلکہ گیس کی قیمتوں کے غیر جانب دارانہ ضابطے کے مرکز کے طور پر بھی کام کرے گا۔

ترکی میں نئے فیلڈز دریافت ہونے سے پہلے روس ہر سال تقریباً 27 ارب کیوبک میٹر گیس فراہم کرتا تھا۔ بجلی کی پیداوار کے شعبے میں اکیو نیوکلیئر پاور پلانٹ کا آغاز ترکی کے حالیہ اہم ترین اقدامات میں سے ایک بڑا قدم ہے۔ اسے بحیرہ روم کے ساحل پر مرسن میں روسی ماہرین کی مدد سے بنایا گیا، جس سے 20 ہزار نئی ملازمتیں پیدا ہوئیں۔ اس پاور پلانٹ کو ایندھن

کی فراہمی روس کے ذمے ہے، جبکہ ترکی نے اپنی پیدا کردہ بجلی کی فروخت اور تقسیم کا معاہدہ کیا ہے۔

دونوں ممالک کے رہنماؤں نے بحیرہ اسود کے شہر سینوپ میں دوسرے جوہری بجلی گھر کی تعمیر کے امکان پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ توقع ہے کہ دونوں بجلی گھر مل کر انقرہ کی بجلی کی 20 فیصد ضروریات پوری کر سکیں گے۔ ترکی کی تعمیراتی کمپنیاں روس میں خدمات فراہم کرنے میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ روس میں تقریباً 100 ترک تعمیراتی فرمیں ہیں، جبکہ ترک کمپنیوں کے معاہدوں کا پورٹ فولیو تقریباً دو ہزار منصوبوں پر مشتمل ہے، جن کی کل لاگت 70 ارب ڈالر ہے۔

روس ہمیشہ سے ترکی کا قابل اعتماد اور مستقل تجارتی شراکت دار رہا ہے اور اب بھی بڑی مقدار میں ترک ٹیکسٹائل درآمد کرتا ہے۔ 2022 میں ترکی روس کو ٹیکسٹائل فراہم کرنے والے پہلے پانچ ممالک میں شامل تھا۔ دونوں ممالک کے درمیان صنعتی اشیا کی تجارت کے حجم میں بھی اضافہ ہوا۔ 2022 میں ترکی کی روسی کیمیکلز کی درآمدات میں 62 فیصد اور لکڑی کی

درآمدات میں 134 فیصد اضافہ ہوا۔ مجموعی طور پر ترکی کی روسی درآمدات کا تقریباً 20 فیصد حصہ صنعتی سامان پر مشتمل تھا۔

مغرب کی طرف سے روس پر عائد پابندیوں کے بعد ترکی روس کی متوازی درآمدات کے لیے ایک بڑا تجارتی پلیٹ فارم بن چکا ہے۔ روس اور ترکی کے تجارتی حجم میں 19.5 فیصد، ترکی کو روسی برآمدات میں 17.6 فیصد اور ترکی سے روس کی درآمدات میں 24 فیصد اضافہ ہوا۔ سورج مکھی کے بیجوں اور تازہ پیداوار کی بڑھتی ہوئی خریداری کے باعث مالیاتی لحاظ سے ترکی سے روس کی درآمدات میں 62.8 فیصد اضافہ دیکھا گیا۔ روس ترکی سے مالٹا، منجمد مچھلی، آڑو، انگور اور تازہ و خشک پھل سمیت مختلف اشیا درآمد کرتا ہے۔

2022 میں ترکی کے سرمایہ کاروں نے روس میں دو نئی مینوفیکچرنگ سائٹس شروع کیں، جن میں سینیٹری اور حفظان صحت کی مصنوعات کا ایک پلانٹ اور کپڑے کی ایک فیکٹری شامل ہیں۔ روسی کاروبار بھی ترکی میں اپنی موجودگی بڑھا رہے ہیں اور وہاں دھاتی مینوفیکچرنگ اور کار اسمبلی کے متعدد منصوبے شروع کیے گئے ہیں۔

2019 ترکی میں روسی ثقافت و سیاحت اور روس میں ترک ثقافت و سیاحت کا سال تھا۔ روسی اور ترکی کی وزارت ثقافت نے متعدد آرٹ و فوٹو نمائشوں کے ساتھ فنون و دستکاری کی تقریبات منعقد کیں۔ دونوں ممالک نے اپنے بعض مقبول تھیٹر اور سنیما پروڈکشنز کا تبادلہ بھی کیا، جو بلاشبہ سافٹ پاور کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ماسکو اور انقرہ دونوں اپنی ثقافتی میراث اور دوطرفہ تعلقات فروغ دینے کے لیے پرعزم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس اور ترکی نے ماضی کی نفرتیں ختم کرکے محبت و تعاون کا جو رشتہ شروع کیا ہے، وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔

کالم 26

روس کی ”سٹارٹ“ میں شرکت معطل

تاریخِ اشاعت: 8 مارچ 2023

روس نے سٹریٹیجک جارحانہ ہتھیاروں کی مزید کمی اور حدبندی کے لیے اقدامات کے معاہدے میں اپنی شرکت معطل کر دی، جو واشنگٹن کے ساتھ ہتھیاروں کے کنٹرول کا آخری موجودہ معاہدہ ہے۔ معطلی کا اعلان روسی صدر ولادیمیر پوتن نے منگل کو وفاقی اسمبلی سے

خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اسی دن متعلقہ بل پیش ہوا اور بدھ کو روسی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا۔

صدر پوتن نے وفاقی اسمبلی کے نام پیغام میں 3 فروری کے نیٹو بیان کا حوالہ دیا، جس میں روس پر معاہدے کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرنے کا الزام لگایا گیا اور جوہری ہتھیاروں کے معائنے دوبارہ شروع کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ صدر پوتن نے ان مطالبات کو "مضحکہ خیز ڈرامہ" قرار دیا اور کہا کہ نیٹو نے حقیقت میں اس معاہدے میں فریق بننے کے لیے درخواست دی ہے۔ صدر پوتن کے مطابق روس کی دوبارہ شرکت کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اتحاد کے رکن برطانیہ اور فرانس کے ہتھیاروں کو کس طرح مدنظر رکھا جائے گا۔

صدر پوتن نے روس کو سٹریٹیجک شکست دینے کے مغرب کے ارادے اور یوکرینی ڈرونز کی جدید کاری میں مغربی ممالک کی شمولیت کا بھی حوالہ دیا، جنہوں نے اینگلز میں روسی سٹریٹیجک ایوی ایشن بیس پر حملہ کیا تھا۔ بعد ازاں روسی وزارت خارجہ نے واشنگٹن پر الزام لگایا کہ وہ طویل عرصے سے مختلف طریقوں سے معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

وزارت نے اس بات پر زور دیا کہ امریکہ کی پالیسی کا مقصد روس کی قومی سلامتی کو نقصان پہنچانا ہے، جو نیو سٹارٹ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

سٹارٹ معاہدہ خود معطلی کے طریقہ کار پر مشتمل نہیں۔ اسے صرف اس صورت میں واپس لیا جا سکتا ہے جب فریقین میں سے کوئی فیصلہ کرے کہ اس کے مواد سے متعلق غیر معمولی حالات نے اس کے اعلیٰ مفادات کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ معاہدہ دوسرے فریق کو اطلاع دینے کے تین ماہ بعد ختم ہو جاتا ہے۔ روس نے ایسے معاہدوں کو معطل یا ختم کرنے کے قانون "آن انٹرنیشنل ٹریٹیز" میں تجویز کردہ صدر کے حق سے فائدہ اٹھایا۔ اسی کے مطابق ایک نیا قانون اپنایا گیا، جس نے نیو سٹارٹ معاہدے میں ماسکو کی شرکت معطل کر دی۔ نئی دستاویز کے مطابق معاہدے کی تجدید کا حق صدر کے پاس ہے۔

روسی وزارت خارجہ کے مطابق ماسکو معاہدے میں شرکت کی معطلی کے باوجود ذمہ دارانہ طرز عمل پر قائم رہنے کا ارادہ رکھتا ہے اور سٹارٹ کی میعاد ختم ہونے، یعنی فروری 2026 تک، سٹریٹیجک جارحانہ ہتھیاروں کی تعداد پر دستاویز کی پابندیوں کی سختی سے تعمیل کرے گا۔

وزارت کا کہنا ہے کہ ماسکو واشنگٹن کے ساتھ بیلسٹک میزائل لانچ کے ڈیٹا کا تبادلہ بھی جاری رکھے گا۔

یہی معلومات روسی وزارت دفاع نے بھی دیں۔ محکمے کے بین الاقوامی فوجی تعاون کے مرکزی شعبے کے پہلے نائب سربراہ یوگینی ایلین نے یقین دہانی کرائی کہ معاہدے میں طے شدہ شرائط معطلی کی مدت میں بھی دیکھی جائیں گی اور لانچوں کے بارے میں اطلاعات کا تبادلہ مکمل طور پر نافذ کیا جائے گا۔

نائب وزیر خارجہ سرگئی ریابکوف نے صحافیوں کو یقین دہانی کرائی کہ روس قومی تکنیکی ذرائع کی مدد سے امریکہ کی جانب سے نیو سٹارٹ کے نفاذ کو قابل اعتماد طریقے سے ٹریک کر سکے گا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ روسی فریق کا اپنے فوجی نظریے میں تبدیلی کا کوئی منصوبہ نہیں۔

ریابکوف کے مطابق ماسکو نیو سٹارٹ کو اپنی سابقہ شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ مکمل طور پر امریکہ کے رویے پر منحصر ہے۔ روسی وزارت خارجہ پہلے کہہ چکی ہے کہ واشنگٹن کو

سیاسی عزم کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کشیدگی میں کمی کے مقصد کے لیے مخلصانہ کوششیں کرنی چاہئیں اور ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے جو نیو سٹارٹ کی بحالی روک سکتے ہیں۔

روسی صدر کے پریس سیکرٹری دیمتری پیسکوف نے بھی زور دیا کہ ہر چیز مغرب کے موقف اور ماسکو کے خدشات کو مدنظر رکھنے پر منحصر ہوگی، بالخصوص یوکرین کے تنازع میں نیٹو کی شمولیت کے حوالے سے۔ ریابکوف نے کہا کہ برطانیہ اور فرانس کے جوہری ہتھیاروں کو مدنظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے، تاہم موجودہ معاہدے کے فریم ورک میں یہ ضرورت پوری کرنا ممکن نہیں۔

روسی وفاقی اسمبلی سے اپنے سالانہ خطاب میں صدر پوتن نے وزارت دفاع اور روسی کمپنی روساتام کو ہدایت کی کہ اگر امریکہ پہلا قدم اٹھاتا ہے تو جوہری تجربے کے لیے تیار رہیں۔ صدر پوتن کے اس اعلان کے بعد امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں تشویش بڑھ گئی۔

امریکی صدر جو بائیڈن نے وارسا میں گفتگو کرتے ہوئے صدر پوتن کے سٹارٹ میں روس کی شرکت معطل کرنے کے فیصلے کو روس کی بڑی غلطی قرار دیا۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ

انتھونی بلنکن نے کہا کہ واشنگٹن ماسکو کے ساتھ کسی بھی وقت سٹریٹیجک ہتھیاروں کی حد بندی پر بات چیت کے لیے تیار ہے، خواہ دنیا میں کچھ بھی ہو یا دوطرفہ تعلقات میں کشیدگی برقرار رہے۔

برطانوی وزیر اعظم رشی سنک کے ترجمان نے صحافیوں کو بتایا کہ برطانیہ کو امید ہے روس اپنے فیصلے پر نظرثانی کرے گا۔ فرانسیسی وزارت خارجہ نے بھی روس سے جلد اپنا ذہن بدلنے کا مطالبہ کیا۔ لندن اور پیرس نے معاہدے میں برطانوی اور فرانسیسی جوہری ہتھیار شامل کرنے کے امکان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ مغربی ردعمل پر تبصرہ کرتے ہوئے روسی صدارتی ترجمان دیمتری پیسکوف نے کہا کہ اس سے فوری مذاکرات یا روس کی واپسی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان وانگ وین بن نے بریفنگ میں کہا کہ چینی حکومت کو توقع ہے روس اور امریکہ تعمیری بات چیت اور مشاورت کے ذریعے معاہدے کے حوالے سے اپنے اختلافات دور کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

اختتام

مکتوبِ ماسکو کا یہ پہلا مجموعہ ایک جاری صحافتی سفر کی دستاویز ہے۔

مکتوبِ ماسکو

شاہد گھمن

شاہد گھمن گزشتہ تین دہائیوں سے صحافت سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے 1996 میں پاکستان سے اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا اور قومی اخبارات، ٹیلی وژن اور مختلف ابلاغی اداروں میں رپورٹنگ، تجزیے اور بین الاقوامی امور کا وسیع تجربہ حاصل کیا۔ وہ تقریباً تین برس تک برطانیہ کے ڈی ایم ڈیجیٹل ٹی وی سے بھی منسلک رہے۔

وہ 2014 میں روس آئے اور 2018 میں ماسکو میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جون 2018 سے فروری 2025 تک، تقریباً سات برس، 92 نیوز کے نمائندۂ روس رہے۔ فروری 2025 سے تا حال دنیا نیوز کے نمائندۂ روس کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شاہد گھمن 2018 سے روسی وزارتِ خارجہ میں باقاعدہ رجسٹرڈ اور منظور شدہ غیر ملکی صحافی ہیں۔ وہ ماریہ زخارووا کی بریفنگز اور روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف کی سالانہ پریس کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے متعدد سوالات اٹھا چکے ہیں۔

انہوں نے سینٹ پیٹرزبرگ انٹرنیشنل اکنامک فورم، ولادی ووستوک میں ایسٹرن اکنامک فورم، ماسکو۔اسلام آباد میڈیا فورم اور متعدد عالمی سیاسی، اقتصادی اور سفارتی تقریبات کی کوریج کی۔ روس۔پاکستان تعلقات، اعلیٰ سطحی ملاقاتیں، روس۔یوکرین تنازع، تجارت، توانائی، تعلیم، ویزا مسائل، افغانستان، کشمیر اور بدلتی عالمی سیاست ان کی رپورٹنگ کے اہم موضوعات ہیں۔

بیلاروس میں وزیر اعظم شہباز شریف کی قیادت میں پاکستانی وفد کی کوریج اور وزیر اعظم کا خصوصی انٹرویو ان کی نمایاں صحافتی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ وہ پاکستانی و روسی سفارت کاروں، سرکاری حکام، کاروباری شخصیات، ماہرین اور صحافیوں کے انٹرویوز بھی کر چکے ہیں۔

'مکتوبِ ماسکو' ان کے منتخب کالموں کا مجموعہ ہے، جس میں روس، پاکستان اور بدلتی دنیا کو ایک پاکستانی صحافی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔